بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد نمبر ۸۰　　ماہ جنوری ۲۰۱۲ء مطابق صفر المظفر ۱۴۳۳ھ　　شمارہ نمبر ۱

مدیر
خلیل الرحمان سجاد نعمانی
E-mail : ilm.zikr@yahoo.com

اس شمارہ میں

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ
آپ کی خریداری کی مدت ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال فرمائیں ورنہ اگلا شمارہ بصیغۂ V.P. ارسال کیا جائے گا جس میں آپ کے -/35 روپئے زائد خرچ ہوں گے ــــ منیجر

ضروری اعلان

درج ذیل مقامات میں الفرقان کی توسیع اشاعت کی ذمہ داری جن حضرات نے قبول کی ہے ان کے نام اور فون نمبر نیچے لکھے جا رہے ہیں۔ ان مقامات اور قرب وجوار کے حضرات اُن سے رابطہ قائم کریں۔

مقام	نام	فون نمبر
۱- اورنگ آباد	مولانا انیس الرحمٰن ندوی	(0)9423456752
۲- مالیگاؤں	مولانا حسنین محفوظ	(0)9226876589
۳- بیلگام	مولانا تنویر صاحب	(0)9880482120
۴- بارہ مولا (جموں کشمیر)	سجاد المجید	(0)9906428932
۵- بڑودہ (گجرات)	مفتی محمد سلمان صاحب	(0)9898610513

مرتب: یحییٰ نعمانی

ناظم شعبۂ رابطہ عامہ : بلال سجاد نعمانی
E-mail: nomani_sajjadbilal@yahoo.com

☆ سالانہ چندہ برائے ہندوستان عمومی 180 روپے
☆ سالانہ چندہ برائے ہندوستان خصوصی خریداران 400 روپے
☆ سالانہ چندہ برائے ہندوستان (وی پی سادہ) 210 روپے
☆ سالانہ چندہ برائے پاکستان، پاکستان میں -/1200 ہندوستان میں -/750 روپے
☆ بیرونی ممالک بذریعہ ہوائی جہاز -/20 پاؤنڈ -/40 ڈالر خصوصی خریداران -/30£

لائف ممبر شپ فیس: ہندوستان -/5000 روپے، بیرونی ممالک 500 پاؤنڈ 1000 ڈالر

برطانیہ میں ترسیل زر کا پتہ: Mr. RAZIUR RAHMAN 90-B HANLEY ROAD, LONDON N4 3DW (U.K) ,Fax & Phone : 020 72721352

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ: ادارہ اصلاح وتبلیغ، آسٹریلین بلڈنگ لاہور۔ (فون: 7663896 - 7655012)

ادارہ کا مضمون نگار کی فکر سے اتفاق ہونا ضروری نہیں۔

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ الفرقان 114/31 نظیر آباد، لکھنؤ - 226018

فون نمبر: 0522-4079758 e-mail : alfurqan_lko@yahoo.com

خلیل الرحمٰن سجاد کے لئے پرنٹر پبلیشر محمد حسان نعمانی نے کاکوری آفسٹ پریس کچہری روڈ لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

افتتاحیہ

—————— مدیر

گذشتہ شمارے پر الفرقان کی عمر کے ۷۹ سال پورے ہوئے، اوراس کی ۸۰ ویں جلد کا یہ پہلا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے —— **فالحمدللّٰہ الذی ھدانا لھٰذا و الحمدللّٰہ الذی بنعمته تتم الصالحات۔**

الفرقان کی تاریخ اوراس کی عمرِ رفتہ کے جتنے حالات اس ناچیز کے علم ہیں، ان کی طرف اوراس عظیم -اور شاید عدیم المثال- خدمت کی طرف جب خیال جاتا ہے جو سخت نامساعد حالات میں الفرقان سے لی گئی، تو یقین ہوجاتا ہے کہ یہ سب اس رب ذوالجلال کی قدرت اورتوفیق کی کارفرمائی ہے جو بلاشبہ بڑی زبردست قدرت والا اور فعال لما یرید بھی ہے اوراپنے بندوں کی پرخلوص مساعی کا نہایت قدردان بھی۔

الفرقان کی شروعات ایک ۲۸ سالہ نوجوان نے ایک ایسے ماحول میں کی تھی جہاں اس کا ساتھ دینے والے معدودے چند افراد بھی نہیں تھے۔ پورا شہر شدید مخالف ہی نہیں سخت ترین دشمن تھا، اور پھر ایسا بھی نہیں تھا کہ الفرقان کے صفحات پر صلحِ کل قسم کے مضامین آتے ہوں، الفرقان تو نکلا ہی اس لئے تھا کہ حق کو حق کہے اور علی رؤس الاشہاد کہے، اور باطل کو باطل کہے اور علی الاعلان اور بلاخوف لومۃ لائم کہے۔ اور وہ یہ کام پوری جرأت کے ساتھ انجام دے رہا تھا۔

یقیناً یہ اس جواں عمر وجواں ہمّت بندۂ خدا کا اخلاص اور دردِ دل ہی تھا کہ جو شمع اس نے تن تنہا روشن کی تھی، نہ صرف یہ کہ تیز وتند آندھیوں میں بھی وہ جلتی رہی بلکہ اس کی روشنی کو تیز سے تیز تر کرنے اوراس کے دائرہ کو وسیع سے وسیع تر کرنے کے لئے پورے برصغیر کے مستند ترین اور معتبر ترین اہل علم وقلم کی پوری جماعت اس کی رفیق وہم نوا ہوگئی، اور دیکھتے ہی دیکھتے الفرقان ایک فرد واحد کے افکار وخیالات کا نہیں، کم ازکم برصغیر کی حدتک دین حق کے تمام ہی ترجمانوں کا ترجمان، اور جمہور علمائے اہل سنت والجماعت کا پسندیدہ پلیٹ فارم یا آرگن بن گیا۔ قرآن وسنت سے ثابت شدہ حقائق وتعلیمات کے سلسلہ میں پوری

صلابت کے ساتھ اس کے مزاج میں اعتدال، توازن، وسعتِ قلبی اور مثبت طرزِ فکر کا ایسا حسین امتزاج رہا کہ بڑے بڑے اہل فکر ونظر اسے ایک رسالہ ہی نہیں ایک مستقل مکتب فکر اور فکر ولی اللٰہی کا سب سے بہترین نمونہ قرار دینے لگے۔

ان سطور کا یہ ناچیز راقم صدق دل سے اعتراف کرتا ہے کہ الفرقان کے معیار اور اس کی شان دار روایات کا قائم رکھنا آسان کام نہیں ہے، خاص طور پر اس کمزور وناتواں کے لئے جس کے دوشِ ناتواں پر اس کی ادارت کی ذمہ داری آن پڑی ہے——

بایں ہمہ امکانی کوشش کی جارہی ہے اور انشاء اللہ کی جاتی رہے گی۔ کیا آپ دعاؤں سے، مشوروں سے، مضامین سے، اس کمزور وناتواں کی کچھ مدد کریں گے؟؟؟ اللہ آپ سب کو سلامت رکھے۔

میں خاص طور پر علماء ودانشوروں سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ ضرور اپنی آراء وتجاویز اور اپنی تنقیدوں اور رشحاتِ قلم سے ہماری مدد فرمائیں۔

اور اہل خیر حضرات سے بھی گذارش کرتا ہوں کہ کچھ ایسی تدبیریں ضرور کریں کہ زیادہ سے زیادہ علماء کرام، مساجد کے ائمہ، مختلف دینی جماعتوں اور ملی تنظیموں کے ارکان اور اردو کے صحافیوں اور جرائد ومجلّات کے ادارتی ذمہ داران (وغیرہ) کو ہم الفرقان تحفۃً بھیج سکیں، تاکہ اس کے ذریعہ پیش کی جانے والی دینی فکر زیادہ سے زیادہ عام ہو سکے۔

آخری کلمہ اللہ کی حمد ہے، اور درود وسلام ہے رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اور ان کے آل واصحاب پر اور بصد ندامت استغفار ہے اپنی تمام کوتاہیوں اور لغزشوں پر!!!

☆☆☆

نگاہ اولیں

مدیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معمارِ حرم! باز بہ تعمیرِ جہاں خیز!

ایک نظر پورے کرۂ ارض پر ڈالئے۔ ہر جگہ آپ کو ایک ہی منظر نظر آئے گا ظلم، ظلم اور ظلم، لگتا ہے کہ زمین ظلم سے بھرتی چلی جارہی ہے۔ پوری دنیا کے عوام ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں، اور ایک چھوٹی سی مگر نہایت خودغرض، عیار، بے رحم اور خونخوار اقلیت ہے جو ہر جگہ اپنے عوام کا خون چوس رہی ہے، اور ان پر طرح طرح کے مظالم کے پہاڑ توڑ رہی ہے۔

دوسری طرف عالمی منظر نامے کا تازہ ترین حصہ یہ ہے کہ اگر سب نہیں تو دنیا کے اکثر خطوں میں عام لوگ، اپنی اپنی سمجھ کے مطابق، اس ظلم سے چھٹکارا حاصل کرنے، اور انصاف کے حصول کے لئے سڑکوں پر نکل آئے ہیں —— ان میں وہ ممالک بھی شامل ہیں جہاں کے عوام پر مسلط لوگ دنیا کو ہر وقت انسانی حقوق کے احترام اور سماجی انصاف کے سبق پڑھاتے رہتے ہیں، اور جن کے بارے میں دنیا کے بے خبر لوگوں کو ذرائع ابلاغ یہی بتاتے رہے ہیں کہ یہ تو دنیا کی جنت ہیں اور یہاں راوی چین ہی چین لکھتا ہے۔ اسپین میں لاکھوں لوگ مہینوں سے مظاہرے کررہے ہیں۔ گذشتہ سال برطانیہ کے متعدد شہروں، لندن برمنگھم، لیورپول، مانچسٹر، اور بریسٹل، وغرہ میں پر تشدد مظاہرے ہوئے، چین اور لاطینی امریکہ میں بھی زبردست احتجاجی مظاہرے ہوئے۔ حد یہ ہے کہ اسرائیل کی راجدھانی تل ابیب میں ۳لاکھ افراد پر مشتمل احتجاجی جلوس نکلا، امریکہ اور یورپ کے مختلف شہروں میں ہزاروں عوام Occupy wall street نامی مشہور زمانہ تحریک کے ذریعہ چلّا چلّا کر دنیا کو یہ بتانے کی کوشش کررہے ہیں کہ ہم ۹۹% لوگ موجودہ معاشی نظام کے شدید مخالف ہیں جن پر صرف ہماری آبادی کے ایک فیصد لوگ قابض ہیں۔ وہ بینکوں اور اسٹاک اکسچینج کو اور چند بڑے بڑے تجارتی گھرانوں اور ملکی معیشت پر ان کے کنٹرول کو سارے فساد کی

جڑ قرار دے رہے ہیں۔ ان ملکوں میں حال ہی میں ہزاروں ایسے لوگ بے گھر کر دئے گئے ہیں جنھوں نے بینکوں سے قرضہ لے کر مکان لئے ہوئے تھے، یا دوسری اشیاء خریدنے کے لئے اپنے مکانوں کو بینک کے پاس رہن رکھا ہوا تھا۔۔۔۔۔۔

الغرض یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ دنیا میں اس وقت بڑے زور کے ساتھ توڑ پھوڑ کا عمل جاری ہے اور ہم یہ نہیں جانتے کہ کیا اس توڑ پھوڑ کے بعد کوئی صالح چیز بھی سامنے آنے والی ہے یا اس کے لئے ابھی دنیا کو مزید لمبی مدت تک انتظار کرنا پڑے گا؟؟ اَنَّا لانَدرِی أشرٌّ اُرِیدَ بِمَن فی الارض اَم اَرادَ بِھِم ربُّھم رَشدًا (سورۂ جن، آیت ۱۰)۔ (ہمیں یہ پتہ نہیں کہ آیا زمین والوں سے کوئی بُرا معاملہ کرنے کا (تکوینی) ارادہ کیا گیا ہے، یا اُن کے پروردگار نے اُن کو راہِ راست دکھانے کا ارادہ فرمایا ہے۔)

عالمی پیمانے پر انسانی برادری کے احوال پر نظر ڈالنے سے اتنی بات تو بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ نوع انسانی جس تہذیب اور جس نظام کے زیر سایہ زندگی گذار رہی ہے وہ پوری طرح ناکام ہو چکا ہے اور شاید اس کی عمر پوری ہو چکی ہے۔ اور سنت اللہ کے مطابق اب وقت آ گیا ہے کہ اس جاہلی اور ظالمانہ نظام کو دنیا کے انتظام سے بے دخل کر دیا جائے، اس نظام کے علم برداروں کو قدرت کی طرف سے کام کے لئے بہت موقع دیا گیا، لیکن اب مزید ان سے کچھ اچھی امید قائم کرنے کی کوئی گنجائش نہیں بچی ہے۔ ان کے اندر کی ہر حقیقت باہر آ چکی ہے، اور یہ زبردست شکست وریخت شاید اسی لئے ہو رہی ہے کہ وہ خود اپنے ہی ہاتھوں اپنے مراسم تجہیز وتدفین ادا کر دیں۔

کئی سو سال سے دنیا مختلف تجربے کر کے دیکھ چکی ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام، اشتراکیت، قومیت وغیرہ یہ سب الگ الگ تہذیبوں اور الگ الگ بنیادی اصولوں پر مبنی نظام نہیں ہیں۔ دراصل یہ ایک ہی تہذیب اور ایک ہی تصور کائنات اور ایک ہی نظریۂ حیات کی شاخیں ہیں۔ انسان کو صرف ایک حیوان سمجھنا، دنیا کو بے خدا سمجھنا، اخلاق اور اصول کے بجائے ہر معاملہ میں صرف مادی منافع کو دیکھنا، دولت کو وحدہٗ لاشریک معبود قرار دینا، یہ ان سب کی مشترکہ بنیادیں ہیں- اور یہ پوری تہذیب، اپنی تمام شاخوں سمیت، عمر طبعی کو پہنچ چکی ہے، اور اپنے امتحان کی مدت ختم کر چکی ہے۔ اس کے پاس ایسا کوئی فارمولہ باقی نہیں رہا ہے جس کو یہ انسانی مسائل کے حل کی حیثیت سے پیش کر سکے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ آیا اس کے بعد دنیا میں پھر ظلم وفساد کا کوئی نیا دور آنا ہے یا خیر اور عدل کی کوئی

نئی شکل سامنے آنی ہے۔اس کا فیصلہ صرف ایک چیز پر منحصر نظر آرہا ہے۔وہ یہ کہ نوعِ انسانی میں سے کوئی ایسا گروہ اٹھتا ہے یا نہیں جو اپنی ایمانی قوت، آخرت اور محاسبۂ الٰہی کی فکر اور انسانیت کی خدمت اور رضائے الٰہی اور مغفرت کے حصول کے لئے اپنی جان و مال اور ذاتی مفادات کو قربان کرنے کے لئے آمادگی جیسے اوصاف کے لحاظ سے ایک امتیازی مقام رکھتا ہو اور جس کے اندر ''جہاد'' اور ''اجتہاد'' کی وہ قوتیں اور صلاحیتیں بھی ہوں اور جو اس عقلی، تمدنی اور سیاسی شعور سے بھی بہرہ ور ہو جس کے بغیر، ہزار خلوص اور نیک نیتی کے باجود ، انسانی معاشرے کی تنظیم نو اور تعمیر نو کا کام انجام نہیں دیا جاسکتا۔اور یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی ایسی صالح جماعت کھڑی ہوجائے، اور ایسی مخلصانہ کوشش کے راستے میں اپنا سب کچھ قربان کرڈالے تو نوعِ انسانی کے لئے ضرور ایک روشن مستقبل کی امید کی جاسکتی ہے۔ورنہ یہ صدمۂ عظیم جس سے انسانیت اِس وقت دوچار ہے، یہ بھیڑیوں سے بدتر سلوک جو اس وقت آدمی آدمی کے ساتھ کررہا ہے، یہ بے دردی و سنگ دلی اور یہ ظلم و سفاکی جس نے جاہلیت اولیٰ کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے، اور جس کی نظیر جانور بھی پیش نہیں کرسکتے، یہ صنعتی ترقی اور تنظیمی قابلیتوں کے ثمرات جو آج غارت گر فوجوں، بموں اور ڈرون طیاروں کی شکل میں نمودار ہورہے ہیں اور وسائل ابلاغ کا یہ استعمال جس سے آج دنیا میں صرف نفرت، خوف، جھوٹ اور عریانیت و بے حیائی پھیلانے کا کام دن رات لیا جارہا ہے۔یہ سب کچھ اچھے اچھوں کا دل توڑ دینے کے لئے اور ہمت ہار کر تماشائی بن کر زندگی گذارنے پر مجبور کردینے کے لئے کافی ہے۔

لیکن کیا ہم مسلمانوں کے لئے مایوس ہوکر بیٹھ جانے کا کوئی جواز ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں، مایوسی کے کسی حال میں جائز نہ ہونے کی وجہیں تو متعدد ہیں۔اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اتنے ہمہ گیر اور عالمگیر بگاڑ کے باوجود جن سے شاید ہی کوئی محفوظ ہو آج بھی امت مسلمہ کے اندر ایسا طبقہ موجود ہے جس کے دل و دماغ میں اپنی خواہشات و مرغوبات اور انفرادی لذت و عیش کو انسانیت کی فلاح و سعادت کے لئے جدوجہد کی راہ میں قربان کردینے کی استعداد فی الجملہ موجود ہے۔تازہ عالمی صورت حال سے واقف اور انسانیت کے لئے خیر خواہی کا جذبہ رکھنے والے لوگ، خاص طور پر عالم عربی اور عالم اسلامی میں آنے والی مثبت تبدیلی کو دیکھ دیکھ کر بجا طور پر اپنی امیدوں اور حوصلوں کو بڑھا ہوا محسوس کررہے ہیں۔

یہ درست ہے کہ مسلمانوں کی بڑی تعداد عام ماحول کے زیر اثر اپنے مقصد زندگی اور انسانی

برادری کے تئیں اپنی اجتماعی ذمہ داریوں کو بھولی ہوئی اور صرف لذت کام ودہن میں لگی ہوئی ہے لیکن اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جاہلیت دنیا کے لئے جو نقشہ رکھتی ہے اور جس نقشہ پر وہ عرصہ سے دنیا کو چلا رہی ہے اس کے خلاف اگر کوئی نقشہ ہے تو صرف مسلمانوں کے پاس ہے اور اصلاح عام کا وہ نقشہ جوں کا توں محفوظ ہے۔ اور مسلسل ایسی کوششیں بھی اس امت میں جاری ہیں جن کا مقصد اس کو خواب غفلت سے بیدار کرنا اور اسے عالمی اصلاح کے میدان میں اپنا قائدانہ کردار ادا کرنے کے لائق بنانا ہے —— اور یہ ساری کوششیں بالکل بے اثر ثابت ہو رہی ہیں، ایسا کوئی قنوطیت کا مارا، اور اپنوں کی تنقیص وتحقیر کا مریض ہی کہہ سکتا ہے۔ یا وہ شخص جو اپنی امت کے حالات سے براہ راست واقفیت نہیں رکھتا۔

اس موقع پر بے ساختہ مجھے علامہ اقبال کے وہ مشہور اشعار یاد آرہے ہیں جن میں انھوں نے نظام جاہلیت کے صدر نشیں اور دجالِ اکبر ابلیس اور اس کی اس مجلس شوری کی کارروائی بیان کی ہے جس میں شیاطین عالم نے جمع ہو کر اپنے آقا کے سامنے ان خطرات کو پیش کیا تھا جو ابلیسی نظام کے لئے سخت تشویش اور پریشانی کا باعث ہیں، اور جن کی طرف جلدی توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ کسی نے جمہوریت کو خطرہ بتایا اور کسی نے اشتراکیت کا تذکرہ کیا اور کہا:

میرے آقا! وہ جہاں زیر و زبر ہونے کو ہے　　جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار

اپنے مشیروں کی ساری باتیں سن کر صدرِ مجلس ابلیس نے اپنی اندرونی واقفیت کے حوالے سے ان سب ''اِزموں'' کی طرف سے ان کو اطمینان دلایا۔ البتہ بڑے صاف لفظوں میں ان کو آگاہی دی کہ:

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے　　جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو
خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ　　کرتے ہیں اشک سحر گاہی سے جو ظالم وضو
جانتا ہے جس پہ روشن باطنِ ایام ہے　　''مزدکیت'' فتنۂ فردا نہیں اسلام ہے
جانتا ہوں میں یہ امت حامل قرآں نہیں　　ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں
جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں　　بے یدِ بیضا ہے پیرانِ حرم کی آستیں
عصر حاضر کے تقاضاؤں سے رہے لیکن یہ خوف　　ہو نہ جائے آشکارا شرع پیغمبر کہیں
الحذر آئین پیغمبر سے سو بار الحذر　　حافظِ ناموسِ زن مرد آزما مرد آفریں

موت کا پیغام ہر نوع غلامی کے لئے | نے کوئی فغفور و خاقان نے فقیر ورہ نشیں
کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک وصاف | منعموں کو مال ودولت کا بناتا ہے امیں
اس سے بڑھ اور کیا فکر وعمل کا انقلاب | بادشاہوں کی نہیں ، اللہ کی ہے یہ زمیں
چشم عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئین توخوب | یہ غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محروم یقیں

چونکہ ابلیس سے یہ بات بھی مخفی نہیں تھی کہ عربوں اور افغانیوں کے اندر یہ استعداد آج بھی دوسری قوموں سے زیادہ موجود ہے کہ وہ کسی وقت پھر سے میدان میں نکل آئیں اور دنیا کی قسمت بدلنے کے لئے پہلے کی طرح جان کی بازی لگادیں اور اپنی آسائشوں کو خطرے میں ڈال دیں، اس لئے اس نے اپنے سیاسی فرزندوں کو خاص طور پر یہ ہدایات بھی دی تھیں کہ:

فکر عرب کو دے کے فرنگی تخیلات | اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو
افغانیوں کی غیرت دیں کا ہے یہ علاج | ملّا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو

عالم اسلام کے تازہ ترین حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابلیس کے اندیشے درست ثابت ہورہے ہیں، —— ''فکر عرب کو فرنگی تخیلات'' کی اسیری سے رہائی ملنی شروع ہوگئی ہے —— اور ''ملّا'' خود کوہ و دمن سے نکلنے کے بجائے اپنی غیرت دیں کے سہارے باہر سے آئے ہوئے قذاقوں اور لٹیروں ہی کو نکالنے کی تیاری کررہا ہے۔

پس جاننا چاہئے کہ بلاشبہ یہ ہماری ہی نہیں انسانی تاریخ کا بھی ایک اہم موڑ ہے، ایک طرف ظالمانہ نظام سے چھٹکارا پانے کی کوشش کرنے والی انسانی برادری ہے، جو نہیں جانتی کہ اس ظلم کا جو اس پر عرصہ سے کیا جارہا ہے اصل سرچشمہ کون سا نظریۂ حیات ہے؟ اور وہ کون سی تہذیب ہے جس کے زیر سایہ آنے کے بعد ہی اسے واقعۃً انصاف مل سکتا ہے؟؟؟ اس کا حال تو بس اس مریض کی طرح ہے جو اپنے درد اور اپنی تکلیف کی وجہ سے کراہتا ہے، وہ نہیں جانتا کہ یہ درد اسے کس وجہ سے ہورہا ہے؟ وہ یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کا علاج کیا ہے؟ لیکن وہ ڈاکٹر جو یہ سب جانتا ہے اس کے لئے یہ ہرگز جائز نہیں کہ وہ بس اس مریض کو کوسنے اور اس کی جہالت پر اس کو ملامت کرنے ہی کو اپنا فرض منصبی سمجھنے لگے۔ اسے تو آگے بڑھ کر اس مریض کا علاج کرنا چاہئے، اور اسے اس تکلیف سے نجات دلوانے کے لئے اللہ کے بخشے ہوئے علم کو استعمال کرتے ہوئے اس کے لئے دلی ہمدردی کے ساتھ دعا بھی کرنی چاہئے —— الغرض ایک طرف

ظالمانہ نظام سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کرنے والے انسانی برادری کے لاکھوں بھولے بھالے افراد ہیں تو دوسری طرف وہ گروہ ہے جس کے پاس ایسا عادلانہ نظام ہے جو یقیناً پوری انسانی برادری کو ظلم سے نجات دلا سکتا ہے اور امن وانصاف پر مبنی ایک انسانی معاشرہ ایک بار پھر دنیا میں برپا کر سکتا ہے ——

اور اب تک صورت حال اگر یہ تھی کہ اس گروہ کو دنیا کے کسی خطّے میں کچھ کر کے دکھانے کا موقع ہی نہیں تھا تو شاید اس صورت حال میں اب تبدیلی آنے والی ہے۔ اب دنیا کے بعض ممالک میں ایسے حالات بنتے ہوئے نظر آ رہے ہیں کہ اس گروہ کو کچھ کرنے کے مواقع ملیں۔

آپ سمجھ گئے ہوں گے، میرا اشارہ، تیونس، لیبیا، اور مصر سے ملنے والی ان اطلاعات کی طرف ہے جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اِن ملکوں کے عوام نے ظلم سے نجات حاصل کرنے کے ارادے سے اب اپنی زیادہ تر توقعات ان ہی لوگوں سے وابستہ کی ہیں جو عرصہ سے ان کو یہ سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے کہ حقیقی اور اجتماعی انصاف صرف اور صرف اس نظام کے ذریعہ مل سکتا ہے جو اُس شفیق پروردگار کا وضع کردہ ہے جو صرف دین داروں کا نہیں، صرف مسلم قوم کا نہیں، سارے انسانوں کا رب اور سب کا خیر خواہ ہے، جو علیم بھی ہے اور خبیر بھی اور جو رحمان بھی ہے اور رحیم بھی۔ اور جس نے اس نظام کو وضع کرتے وقت اُن کی اور ان سب کی مجموعی اور اجتماعی مصلحتوں کا لحاظ رکھا ہے۔

جن لوگوں سے عوام نے یہ امیدیں قائم کی ہیں ان کے بارے میں تفصیلی واقفیت کا دعویٰ تو ہم نہیں کر سکتے، اجمالی طور پر جو کچھ ہم جانتے ہیں اس سے بہر حال اچھی توقعات ضرور قائم ہوتی ہیں۔ یہ لوگ جن فکری، تربیتی اور اصلاحی تحریکوں کے پروردہ ہیں وہ تقریباً ایک صدی پہلے شروع ہوئی تھیں، اس پورے عرصہ میں بے شمار مرحلوں اور مختلف قسم کے نشیب وفراز سے یہ تحریکیں گذری ہیں۔ ان ہی کے بطن سے جماعت التکفیر والہجرۃ اور حزب التحریر جیسی انتہا پسندانہ جماعتیں اور ''خوارج'' جیسی سوچ رکھنے والے جوشیلے اور انتہا پسند وعجلت باز نوجوان بھی منصۂ وجود میں آئے اور کبھی کبھی ان کے بعض حساس اور دردمند طبیعت رکھنے والوں میں بھی کچھ ایسے افکار اور تعبیرات نے راہ پائی جن میں بے اعتدالی، بے صبری اور منفی رجحانات کا غلبہ محسوس کیا جا سکتا ہے، تاہم اب ان کے بارے میں ہم جیسے دور بیٹھ کر حالات کا مشاہدہ کرنے والوں کا اندازہ ہے کہ ان تجربات نے انھیں بہت کچھ سکھا دیا ہے، ان کی فکر میں اب زیادہ ٹھہراؤ، زیادہ اعتدال اور زیادہ حقیقت پسندی آ گئی ہے۔ اب وہ شب وروز میں خلافت راشدہ قائم کر دینے

کے بجائے بہت تدریجی رفتار سے اور پھونک پھونک کر سماجی انصاف قائم کرنے کے عزم کا اظہار کر رہے ہیں ۔بظاہر وہ اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھنا چاہتے ہیں کہ رحمت دو عالم ﷺ نے بھی اقامت دین اور نفاذ شریعت کے لئے جد و جہد کی جو راہ اختیار کی تھی اس میں بھی بہت دھیرے دھیرے آگے بڑھنے اور زمینی حقائق کی پوری رعایت کرنے کے طرز عمل کو اپنایا گیا تھا، آپ ﷺ نے وقت کے رائج سیاسی نظام کے اندر رہتے ہوئے اور بسا اوقات اس کے بعض غیر عادلانہ مطالبوں کو بھی تسلیم کرتے ہوئے اور نا قابل برداشت چیزوں کو بھی برداشت کرتے ہوئے مختلف الخیال سماجی اکائیوں کے ساتھ معاہدے بھی کئے تھے تا کہ وہ زیادہ سے زیادہ قریب رہ کر آپ کے اور دین وشریعت کے اصل مقصد ''اصلاح'' اور ''قیام عدل'' کو سمجھ سکیں، اور آپ کی اور آپ کے مختصر سے قافلے کی توانائیاں بے محل ضائع نہ ہوں۔ نیز آپ نے کوئی قدم قبل از وقت نہیں اٹھایا، کوئی فیصلہ عجلت اور جذباتیت اور رومانی سوچ (ROMANTIC AND WISHFUL THINKING) کی بنیاد پر نہیں کیا۔ آپ اس حقیقت کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے کہ مکمل طور پر اجتماعی نظم کی تبدیلی وہ نقطۂ ارتقاء اور بلندترین چوٹی ہوتی ہے جس تک مدتوں کی کوشش اور صبر وانتظار کے بعد ہی پہنچا جا سکتا ہے ۔**الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا**'' والا ارشاد ربانی اور اس کا وقت نزول بھی اس بارے میں بہت قیمتی اشارے رکھتا ہے۔

ہم پھر عرض کرتے ہیں کہ اِن ملکوں میں اسلامیت کے علم بردار جن سے ان ملکوں کے بظاہر مظلوم عوام نے توقعات وابستہ کی ہیں، جو طرز عمل اختیا کرتے ہوئے نظر آ رہے ہیں، ہمارا گمان ہے کہ اس کی وجہ ان کی یہی سوچ ہے —— اور ہم دعا ہی کر سکتے ہیں کہ ہمارا یہ گمان درست ہو، اور ایسا نہ ہو کہ ان کے اس طرز عمل کی وجہ مرعوبیت، باطل سے مصالحت اور احساس کمتری جیسی چیزیں ہوں۔

اِن ملکوں میں ایسے اسلامی عناصر بھی ہیں جو سطور بالا میں ذکر کئے گئے تدریجی طرز عمل سے متفق نہیں ہیں، ذرائع ابلاغ میں اس گروہ میں سب سے زیادہ جن لوگوں کا نام آ رہا ہے وہ وہ لوگ ہیں جو اپنے کو ''سلفی'' کا نام دیتے ہیں —— ہم امید کرتے ہیں کہ موقع ملنے پر یہ ایسے حزب اختلاف کا کردار ادا کریں گے جو حکومت کو، اعتدال پسندی کے نام پر پسپائی، شکست خوردگی اور مغرب کا ظالمانہ نظام جوں کا توں برقرار رکھنے کی حد تک، نہ جانے دے، اور اس نقطہ پر بھی نظر رکھیں گے کہ سیکولر اور لبرل عناصر حکومت کی

پالیسیوں پر غالب نہ آنے پائیں —— مگر ساتھ ہی وہ ان حقائق کو بھی ملحوظ رکھیں گے کہ منزل ابھی کافی دور ہے، اور ابھی بہت لمبا سفر طے کرنا باقی ہے، ابھی پیروں میں بہت سی زنجیریں پڑی ہوئی ہیں، اسلام کے پاکیزہ، فطری اور عادلانہ اصولوں کے مطابق معاشرے کی تشکیل نو کے لئے ابھی بہت مدت تک زندگی کے مختلف شعبوں میں اصلاحی کام کرنے ہوں گے۔ گہری منصوبہ بندی اور سخت محنت کے ذریعہ پہلے اپنی انتظامی مشین کے لئے وہ پُرزے تیار کرنے ہوں گے جو مطلوبہ تعداد میں اِس وقت میسر نہیں ہوں گے۔ انھیں فوج، پولیس، عدلیہ، شعبۂ مالیات، ملکی محاصل، خارجی سیاست، داخلی نظم ونسق غرض کہ سارے ہی شعبوں کے لئے ایسے لوگ تیار کرنے ہوں گے جن کے دلوں میں خدا کا خوف ہو، جو دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے والے ہوں، جن کی نگاہ میں اخلاقی نفع ونقصان کا وزن دنیاوی نفع ونقصان سے کہیں زیادہ ہو، جو ہر حال میں اس ضابطہ اور اس طرز عمل کے پابند ہوں جو ان کے لئے مستقل طور پر بنا دیا گیا ہے، جن پر شخصی یا گروہی اغراض کی بندگی اور ہویٰ وہوس کی غلامی مسلط نہ ہو، جو دولت کے حریص اور اقتدار کے بھوکے نہ ہوں، جن کی سیرت وکردار میں یہ طاقت ہو کہ جب زمین کے خزانے ان کے دست قدرت میں آئیں تو وہ پکے امانت دار اور مستغنی ثابت ہوں، اور جب بستیوں کا نظم ونسق ان کے ہاتھ میں آئے تو وہ خود تو راتوں کو جاگ جاگ کر عوام کی حفاظت کا نظم کریں، اور عام لوگ چین کی نیند سوئیں، یہاں تک کہ دنیا بھر میں ان کی سچائی، انصاف پسندی اور اصول اخلاق کی پابندی پر اعتماد بلکہ رشک کیا جانے لگے۔

ہماری دلی دعا ہے کہ وہ تمام لوگ جو اسلام کو ہی دنیا کے موجودہ مسائل کا واحد حل سمجھتے ہیں وہ سب اس حقیقت کو ضرور سامنے رکھیں کہ انہیں پہلے مرحلے میں تعلیم وتربیت، اطلاعات ونشریات وغیرہ شعبوں کی تشکیل نو کر کے اپنے عوام کی ذہنیت میں انقلاب رونما کرنا ہوگا، اور فلاحی اسکیموں کو اس انداز سے ترتیب دینا ہوگا کہ ایک ایک کچے پکے گھر میں اس کا نفع نظر آئے، انھیں انسانی حقوق کے واقعی تحفظ اور امن وامان کو یقینی بنانے کے لئے زبردست اصلاحی اقدامات کرنے ہوں گے۔۔۔۔۔۔۔وغیرہ وغیرہ

الغرض ابتدائی مرحلے میں ان کو ایسے اقدامات کی طرف زیادہ توجہ کرنی ہوگی جن سے ان کی جڑیں مضبوط ہوں، اور زیادہ سے زیادہ ملک کے عوام وخواص ان سے قریب اور مانوس ہوں اور ان کی ترجیحات میں متوازن تبدیلی آئے —— انھیں خاص طور پر یہ بات یاد رکھنی ہوگی کہ تاریخ کے ایک ایسے موڑ پر مشیت الٰہی نے اچانک ان کو اپنی کارکردگی دکھانے کا موقع دیا ہے، جب کہ صرف ان ملکوں کے لوگ

ہی نہیں جن کی اکثریت مسلمان ہے، بلکہ اُن ممالک کے عوام بھی جن کی غالب اکثریت غیر مسلم ہے، اس ظالمانہ تہذیب اور جابرانہ نظام سے گلوخلاصی کی کوشش کررہے ہیں جس کے چنگل میں وہ عرصہ سے پھنسے ہوئے تھے، اور وہ اس کا متبادل تلاش کرنے کی کوشش کررہے ہیں ——اور کہا جاسکتا ہے کہ دنیا بھر کی نگاہیں اِن مسلم ملکوں کے بدلتے ہوئے حالات اور نئے امکانات پر لگی ہوئی ہیں—— اگر اس زریں موقع سے بھرپور فائدہ اٹھالیا گیا، تو صرف اِن ملکوں ہی تک اس کا فائدہ محدود نہیں رہے گا بلکہ انسانی برادری کے وہ لاکھوں عوام اس سماجی انصاف کے کامیاب عملی تجربے کو دیکھ کر سچائی کو قبول کرنے اور اس سے اپنی انفرادی واجتماعی زندگیوں کو بھی فیضیاب کرنے کا فیصلہ کرسکتے ہیں——اور اگر- خدانخواستہ اور ہزار بار خدانخواستہ- یہ موقع باہمی اختلاف، یا جلد بازی اور پھوہڑ پن جیسی بے اصولیوں کی وجہ سے ضائع کردیا گیا تو ایک اور لمبے عرصے کے لئے نہ صرف یہ کہ ان ملکوں کے عوام امن وانصاف سے محروم رہیں گے بلکہ خود اسلام اور اس کے نمائندوں ہی کی طرف سے مایوس اور بدگمان ہوجائیں گے —— اور پھر دنیا کے وہ مظلوم اور بھولے بھالے عوام جو خداوندی منشور حیات سے رشتہ جوڑ کر اپنی دنیا وآخرت دونوں کو سنوار سکتے تھے، وہ اس عظیم سعادت سے محروم رہ جائیں گے ——اور اس کا وبال ان کے سر پر ضرور پڑے گا جو ان کی اس محرومی کا سبب بنے ہوں گے۔ خواہ وہ وہ ہوں جو ایوانوں میں حکمراں جماعت کی سیٹوں پر بیٹھتے ہوں یا وہ ہوں جو حزب مخالف کی سیٹوں پر۔

ہم دعا ہی کرسکتے ہیں- اور ہم سب کو اِن دعاؤں کا اہتمام ضرور کرنا چاہئے- کہ اللہ تعالیٰ اسلام سے شعوری وایمانی تعلق رکھنے والے تمام ہی حلقوں کو تعاون باہمی کے مزاج کو اپنانے، اور مضبوط قوت ارادی، بھرپور حوصلے اور پوری حکمت عملی کے ساتھ اسوۂ نبوی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے ملکوں کے عوام کی خدمت کا بہترین موقع عطا فرمائے، اور ہر طرح کی بدنیتی، جلد بازی، غلط فیصلوں اور باہمی تفرقہ وانتشار سے ان کو بالکلیہ محفوظ رکھے۔ تا کہ اسلام کی حقیقی اور جاذب نظر تصویر اقوام عالم کے سامنے آسکے۔ ایسا لگتا ہے کہ جیسے پوری ملت اسلامیہ بلکہ پوری انسانی برادری کا ضمیر اِن ملکوں میں اسلامی تحریک کے قائدین سے اقبال کے الفاظ مستعار لے کر کہہ رہا ہو کہ:

عالم ہمہ ویرانہ ز چنگیزیٔ افرنگ معمار حرم! باز بہ تعمیر جہاں خیز!

☆☆☆

محفل (۱۱۱) سورۃ النساء (۱۶)

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی

دینِ حق کی راہ میں مجاہد کا درجہ غیر مجاہد مؤمن سے بہت بلند ہے
دیارِ کفر میں غیر اسلامی زندگی کو ہجرت پر ترجیح دینے والوں کا خاتمہ بخیر نہیں ہوگا!

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَا یَسْتَوِی الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَی الْقٰعِدِیْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ عَلَی الْقٰعِدِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا ۙ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۹۶﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ۙ﴿۹۷﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَةً وَّلَا یَهْتَدُوْنَ سَبِیْلًا ۙ﴿۹۸﴾ فَاُولٰٓئِكَ عَسَی اللّٰهُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾ وَمَنْ یُّهَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِیْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْ

بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾

ترجمہ

مسلمانوں میں وہ لوگ جو (جہاد کے موقع پر) بلا عذر گھر بیٹھے رہیں اور وہ کہ جو اللہ کی راہ میں جہاد اپنے جان و مال سے کریں (وہ دونوں) برابر نہیں ہو سکتے۔ اللہ نے فضیلت درجہ کے اعتبار سے بخشی ہے اپنے جان و مال سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھے رہنے والوں پر۔ اور یوں وعدہ اللہ کا دونوں سے حسنِ عاقبت کا ہے۔ فضیلت مجاہدین کو اللہ نے بخشی ہے اجرِ عظیم کی، یعنی بڑے درجات اور مغفرت و رحمت کی اپنی طرف سے۔ اور اللہ غفور ہے رحیم ہے۔

وہ لوگ جن کی روحیں فرشتے اس حالت میں قبض کریں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم (دین کے باب میں) کئے ہوئے تھے اُن سے وہ کہیں گے: یہ تم کس حال میں جی رہے تھے؟ کہیں گے (کیا کہیں) ہم اپنی سرزمین پر بالکل بے بس تھے۔ فرشتے کہیں گے: کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت (کہیں کو) کر جاتے؟ سو ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور برا ہی ٹھکانہ وہ ہے۔ ہاں وہ مرد، عورتیں اور بچے جو واقعی بے بس ہیں، کہ کوئی تدبیر کر سکتے ہیں نہ راہ کوئی پاتے ہیں اُن سے امید ہے اللہ درگزر فرمائے۔ اور اللہ معاف فرمانے والا بخشد ینے والا ہے۔ اور جو کوئی ہجرت اللہ کی راہ میں کرے گا وہ زمین پر بہت سے ٹھکانے اور بڑی گنجائش پائے گا۔ اور جو اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کی نیت سے نکلا، پھر (راستے ہی میں) اسے موت آ گئی تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ آ گیا۔ اور اللہ غفور رَّحیم ہے۔

جہاد کی فضیلت اور ہجرت کی فرضیت

جہاد ہی کا مضمون تھا جس کے بیچ میں سرِ راہِ جہاد کسی مسلمان ہی کا غلطی سے مسلم مجاہدین کی زد میں آ جانے کا مسئلہ آ گیا تھا۔ اب مضمون کا رشتہ پھر بحال ہو رہا ہے اور حالات کے تقاضے سے جہادی روح کو

توانائی دینے کے مقصد سے بتایا جا رہا ہے کہ ''جہاد فی سبیل اللہ کے لئے نکلنے والے مسلمانوں کا درجہ اللہ کے یہاں ان مسلمانوں سے بلاشبہ بڑھا ہوا ہے جو کوئی عذر نہ ہوتے ہوئے جہاد میں نہ نکلیں۔ ویسے اصل اسلام کے اعتبار سے دونوں کے لئے اللہ کا وعدہ حُسنِ عاقبت کا ہے۔'' نہ نکلنے والوں کے لئے بھی حُسنِ عاقبت کے وعدہ نے، اور اس سے بھی پہلے دونوں کے تقابُل میں فضیلت (فَضَّلَ الله) کے لفظ نے، آپ سے آپ یہ بات واضح کر دی کہ یہاں بات اس جہاد کی نہیں ہو رہی جو فرضِ عین ہو بلکہ فرضِ کفایہ کی نوعیت والے جہاد کی ہے، جس میں ہر مسلمان جو کوئی عذر نہ رکھتا ہو پابند نہیں ہے۔ بلکہ بقدرِ ضرورت وکفایت نکلنے والے سامنے آجائیں تو باقی پر گرفت نہیں رہتی۔ پھر بھی نکلنے اور نہ نکلنے والوں میں فرق نہ ہونے کا تو سوال ہی کیا؟ بلکہ اتنا فرق ہے کہ اس کے اظہار کے لئے ''فَضَّلَ اللهُ'' کا لفظ دو مرتبہ لایا گیا ہے۔ پہلے میں مطلق فضیلت کا اظہار ہے اور دوسرے میں اس کے درجے کی تصریح، کہ اس کی شکل بڑے بھاری اجر وثواب کی ہوگی (اَجْراً عَظِيماً) پھر اس اجرِ عظیم کو اور کھول کر فرمایا گیا ''دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَ مَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً (درجوں پر درجے اس کی طرف سے، عطا ہوں گے اور مغفرت ورحمت، کہ اللہ تو مغفرت کرنے والا رحمت کرنے والا ہے ہی۔

سہل انگاری میں ہجرت کے فرض سے گریز کا انجام!

راہِ حق میں اجرِ عظیم کی بشارت اس کے حقداروں کو دے کر، توجہ ان کوتاہ ہمتوں کی طرف مبذول فرمائی گئی ہے جو نام اسلام کا لینے کے باوجود ایسے حالات میں کہ سر دھڑ کی بازی اسلام اور دارالاسلام (مدینہ) کی حفاظت میں لگی ہوئی ہے، کفرستان سے ہجرت کر کے ان مجاہدین میں آکر نہیں شامل ہوتے۔ اور جہاد میں شامل ہونا تو در کنار، کُفار کے زیرِ اقتدار علاقوں میں رہ کر ایسی زندگی گزارنے پر راضی ہیں جو اسلام کے تقاضے ہرگز پورے نہیں کرسکتی۔ ان لوگوں کو مجاہدینِ حق کو دی گئی بشارتوں کے مقابلے میں سخت ترین الفاظ میں آگاہی دی جا رہی ہے کہ وہ اگر اس زندگی پر راضی رہے تو آخرت کے اعتبار سے بھی ان کو اس انجام کے لئے تیار رہنا چاہئے جو اصل میں کافروں کا حصہ ہے۔

فرمایا گیا: اِنَّ الَّذِينَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (وہ لوگ کہ جن کی جانیں فرشتے اس حالت میں قبض کریں گے کہ وہ خود پر ظلم کے مجرم بنے ہوئے تھے، ان سے یہ فرشتے کہیں گے: تم کس حال میں یہاں رہتے رہے؟ اس سوال کا مطلب ہے کہ جس حال میں تم رہتے رہے کیا واقعی وہ ایک مسلمان کے لائق حال تھا؟ سوال کا یہ مطلب ان لوگوں کے جواب (كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْاَرْضِ) سے ظاہر ہو رہا ہے کہ کیا

بتائیں، ہم یہاں بڑے بے بس تھے۔ یعنی اپنی مرضی کی زندگی نہیں گزار سکتے تھے۔ فرشتے اس پر کہیں گے : کیا اللہ کی زمین ایسی وسیع نہیں تھی کہ تم اس میں کہیں کو ہجرت کر جاتے؟ پھر اس کے بعد کہ ان کی روح قبض کر لی جائے گی ان کے انجام کی بابت فرمایا گیا ان کا انجام جہنم ہے۔ اور کیا ہی برا یہ انجام ہے: أُولَئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِيرًا۔ بہت ڈرنے کا حق رکھنے والی آیت ہے۔ اسلام کی ضرورت کے موقع پر، استطاعت رکھتے ہوئے اس کے کام نہ آنا گویا سنگین خطرے کی بات ہے۔

معذور لوگوں کے لئے رعایت کا اعلان

مدینہ کی طرف ہجرتِ نبوی کے بعد جس وقت تک مکہ فتح نہیں ہوا تھا اس وقت تک ہر اس مسلمان پر ہجرت فرض تھی جو کوئی واقعی مجبوری اپنے پرانے دیار میں پڑے رہنے کی نہ رکھتا ہو۔ ہجرت کی فرضیت کے لئے اس شرط کو فوراً ہی اس استثناء (Exemption) کے ذریعے واضح فرما دیا گیا ہے کہ وہ بے بس مرد عورتیں اور بچے اس گرفت اور انجام سے مستثنیٰ ہیں جو ہجرت کی کوئی راہ نہ پاتے ہوں (إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا) یہ گویا وہ لوگ تھے جو پکے اور سچے دل سے مسلمان تھے اس لئے یہ یقیناً اوپر کے الفاظ سے دہل گئے ہوں گے۔ پس اگرچہ قانونی طور پر استثناء کے الفاظ کافی تھے، لیکن ربِ کریم نے ان کا دل آخرت کی طرف سے پوری طرح مطمئن کرنے کو مزید فرمایا: فَأُولَئِكَ عَسَى اللهُ أَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللهُ عَفُوًّا غَفُورًا (یہ لوگ وہ ہیں کہ اللہ انھیں معاف فرمائے گا اور اللہ تو معافی دینے والا مغفرت فرمانے والا ہی ہے۔

ہجرت مشکل ضرور ہے، مگر اتنی نہیں!

اس کے بعد ہجرت کے تصور کی مشکلات کو بھی قابلِ اعتناء گردانتے ہوئے انھیں ذہن پر آسان کرنے کے لئے فرمایا گیا: وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللهِ۔۔۔ (اور جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کے لئے نکل کھڑا ہوگا وہ روئے زمین پر بہت گنجائش اور وسعتِ (رزق) پائے گا۔ اور اگر اس راہ میں کوئی ٹھکانہ اور منزل ہاتھ آنے سے پہلے ہی کسی کا وقت آ گیا تب بھی اللہ کے یہاں وہ مہاجر لکھا گیا اور اس کے لئے ہجرت کا اجر اللہ کے ذمہ آ گیا۔ اور اللہ معاف فرمانے والا رحم فرمانے والا ہے۔) اس ہجرت کے بارے میں جو اوپر کہا گیا کہ فتحِ مکہ (۸ھ) کے بعد اس کی فرضیت ختم ہوگئی تھی، وہ اس لئے ہوا کہ ضرورت نہ رہی تھی۔

دیارِ عرب میں کفر نے ایک دم ہتھیار ڈالنے شروع کر دئے تھے۔لیکن اب بالکل بدلی ہوئی دنیا میں جبکہ اسلام ایک عالمی دین اور اہلِ اسلام ایک عالمی قوم ہیں، کہیں یہ ضرورت لوٹ آئے گی تو حکم بھی ان لوگوں کے لئے واپس آجائے گا جن کے لئے ہجرت ممکن ہوگی۔ ویسے اب دنیا کی تبدیلیوں میں سے ایک تبدیلی یہ بھی ہے کہ شاید کوئی ملک ایسا نہیں رہا جہاں آدمی بنیادی مذہبی فرائض ادا نہ کر سکتا ہو۔اور بالفرض کہیں ایسی صورت پیش آہی جائے کہ ہجرت فرض ہوتی ہے تو نئی دنیا کا ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ ملکوں کی سرحدیں کھلی ہوئی نہیں ہیں۔ سخت حد بندیاں اور پابندیاں ہیں۔اور مسلم ملک اس معاملے میں اوروں سے بھی آگے ہی ہیں۔ پس شریعت اس صورتِ حال کا بھی لحاظ کرے گی۔ اللہ نہ کرے کہ ہم میں سے کسی کو اس کی ضرورت پیش آئے۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

جہاد فی سبیل اللہ اور اس کا مقصد

[۲/ محرم الحرام ۱۳۶۰ھ سے ۹/ محرم ۱۳۶۰ھ تک مسلسل آٹھ دن تک بمبئی میں ایک ہی مقام پر والد ماجد حضرت مولانا محمد منظور نعمانی ؒ کے خطابات ہوئے تھے، ذیل کا خطاب اس سلسلہ کا چھٹا خطبہ تھا، صفحات کی گنجائش کے لحاظ سے کہیں کہیں کچھ حذف و اختصار سے کام لیا گیا ہے، اور وہاں پر نقطوں (.........................) کے ذریعہ اشارہ کر دیا گیا ہے۔]

(بعد خطبۂ مسنونہ)

۔۔۔۔ہمارے چالاک سیاسی دشمنوں نے اسلامی جہاد کے خلاف اس قدر زبردست اور عیارانہ پروپیگنڈا کیا ہے کہ دوسروں کا کیا ذکر خود مسلمان، اور اچھے خاصے پڑھے لکھے مسلمان اُس سے متاثر ہیں —— اسی ناپاک اور پُرفریب پروپیگنڈے کا اثر ہے کہ اب جہاد کا نام سنتے ہی ایک نہایت ہولناک اور لرزہ خیز خونریزی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے اور عالمِ تصور میں لوگوں کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا ایک نہایت غیر مہذب قوم کے مذہبی دیوانوں کا کوئی گروہ ہے جن کی شکلیں نہایت مہیب اور صورتیں نہایت ڈراونی ہیں، وہ خون میں شرابور ننگی تلواریں سونتے ہوئے غیر مسلم آبادیوں پر چڑھے چلے آرہے ہیں اور جو کافر سامنے آجاتا ہے اس کی گردن پر تلوار رکھ کر کہتے ہیں ''ہوجا مسلمان اور پڑھ ہمارا کلمہ نہیں تو ابھی تیرا سرتن سے جدا کیا جاتا ہے''۔ پھر اگر وہ ذرا چپڑ مچڑ کرتا ہے تو بیدردی اور سفاکی کے ساتھ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے جاتے ہیں اور اس کا مال و اسباب لوٹ کر آپس میں بانٹ لیا جاتا ہے۔

حضرات! یہ ہے ہمارے جہاد کی وہ بھیانک اور سیاہ تصویر جو ہمارے چالاک سیاسی دشمنوں نے دنیا کے سامنے کھینچی ہے —— اور چونکہ یہ چالاک مصوّر اس وقت سیاسی اقتدار کے مالک ہیں، اور سیاست کے میدان میں ہم کو شکست دے کر زیر کر چکے ہیں، مزید براں، یہ پروپیگنڈے کے فن میں بھی لاثانی استاذ ہیں، اس لئے ان کا یہ افسوں کامیاب ہوا اور عام دماغوں میں ہمارے جہاد کی یہی تصویر نقش ہوگئی۔ یہاں

تک کہ اسلام کے بہت سے نادان دوستوں اور سادہ لوح ہمدردوں نے بھی اس کے جواب میں اسلام کی حمایت اور خدمت کا صحیح طریقہ یہ سمجھا ہے کہ جہاد کے تعلیمِ اسلام ہونے سے ہی انکار کر دیا جائے، چنانچہ انھوں نے پوری جرأت اور بے باکی کے ساتھ اس سے انکار کر دیا اور قرآن پاک میں جہاں جہاں جہاد کا لفظ آیا تھا اس کے معنی ''جہاد بالنفس'' اور ''جہاد بالشیطان'' کے کر ڈالے گئے۔ اور جو بعض کم ہمت، اسلامی تاریخ کی روشنی میں ایسا سفید جھوٹ بولنے کی جرأت نہ کر سکے تو انھوں نے بھی مرعوبانہ انداز میں ''بے چارے اسلام'' کی طرف سے صفائی دیتے ہوئے کہنا شروع کر دیا کہ ''بے شک اسلام میں جہاد تو ہے مگر صرف ''دفاعی'' ہے یعنی جب کوئی طاقت مسلمانوں پر حملہ آور ہو یا ان کی مذہبی آزادی سلب کرنا چاہے تو حفاظت خود اختیاری کے طور پر اور اپنے تحفظ کی خاطر اُن کو جوابی کارروائی کرنی چاہئے بس یہی اسلامی جہاد ہے''۔

بہر حال ہمارے ان سیاسی دشمنوں کے اس پروپیگنڈے سے خود ہمارے دل دماغ بھی متأثر ہوئے اور اس کا اتنا اثر پڑا کہ بہت سے ہم میں سے یا تو جہاد ہی کے منکر ہو گئے اور یا انھوں نے اس میں ایسی اصلاح نما تحریف فرمائی کہ اس کی روح ہی نکل گئی —— اور پھر کتنی عجیب بات ہے کہ ہمارے جہاد کے خلاف یہ پروپیگنڈا بھی انھوں نے کیا جن کے ہاتھ اس پروپیگنڈے کے وقت بھی مظلوموں کے خون میں بھرے ہوئے تھے اور مختلف قوموں کے لاکھوں کمزور افراد کے خونوں کے چھینٹے جن کے دامنوں پر پڑے ہوئے تھے اور جن کی فوجیں عین اسی وقت اپنی توپوں اور بندوقوں کے زوروں سے کمزوروں کو پامال کر رہی تھیں اور ان کے ملکوں اور ان کی آزادی کو چھین رہی تھیں —— شاید انھوں نے اس خونریزی اور سفاکی کی طرف سے لوگوں کی نظریں پھیر دینے ہی کے لئے نہایت معصومانہ انداز میں مگر بڑی قوت کے ساتھ ''اسلامی جہاد'' کے خلاف یہ پروپیگنڈہ کیا تھا۔ مگر غلامانہ ذہنیت رکھنے والوں نے نہ ان عیاروں کے کرداروں کو دیکھا اور نہ جہاد کی حقیقت کے متعلق اسلامی لٹریچر ہی سے کوئی روشنی حاصل کرنی ضروری سمجھی بلکہ ان کے پرفریب بیانوں اور بلند بانگ دعووں پر ایمان لاکر ''قانون جہاد'' کا انکار یا اس کی ''مرمت'' بہتر پالیسی سمجھی۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ وہ جہاد جو اسلام کا رکن اعظم تھا اور داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کے متعلق فرمایا تھا ''وذروة سنامه (الاسلام) الجهاد'' (یعنی جہاد اسلامی تحریک کا جزو اعظم ہے) اس کی حقیقت ہی مبہم ہو کر رہ گئی اور اس طرح لوگوں کی نظروں سے اس کی اہمیت گرا دی گئی۔

تو آج کی تقریر میں مجھے جہاد کی حقیقت اور اسلام میں اس کی اہمیت ہی کو آپ حضرات کے

سامنے واضح کرنا ہے اور ساتھ ہی ''اساتذۂ یورپ'' کے اس پروپیگنڈے کی بھی حقیقت کھولنی ہے جو انھوں نے پچھلی دو تین صدیوں سے ہمارے ''جہاد'' کے خلاف کیا ہے —— میں یقین رکھتا ہوں اور یقین ہی کے ساتھ کہتا ہوں کہ اس پروپیگنڈہ کرنے والوں میں بیشتر وہ ہیں جو خود حقیقت حال کو صحیح طور پر جانتے ہیں لیکن انھوں نے صرف اپنی سیاسی اغراض کے لئے ازراہ بے ایمانی یہ پروپیگنڈہ کیا ہے، البتہ جو سادہ لوح اس پروپیگنڈے سے متاثر ہوئے ہیں (اور ہمارے برادران وطن کا خصوصیت سے یہی حال ہے) وہ ضرور غلط فہمی میں ہیں اور صرف ان کی ہی غلط فہمی کو دور کرنا ہمارا کام ہے۔

حضرات! مجھے اس سے بھی انکار نہیں ہے کہ ہمارے جہاد کے متعلق اس غلط فہمی کے لئے یورپ کے پروپیگنڈے کے علاوہ کچھ اور بھی اسباب ہیں اس لئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ ان کی طرف بھی توجہ کروں۔

ان میں سے ایک بڑا بلکہ غالباً سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ عام طور پر اسلام کو بھی دوسرے ''مذہبوں'' اور ''دھرموں'' کی طرح ایک ''مذہب'' اور ''دھرم'' اور علیٰ ہٰذا مسلمانوں کو دنیا کی بہت سی ''قوموں'' میں سے ایک ''قوم'' سمجھا جا رہا ہے اور اس غلط فہمی میں خود مسلمان بھی قریب قریب غیر مسلموں کے برابر ہی مبتلا ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ میں پہلے اس غلط فہمی کو رفع کروں، میری گذارش کا یہ حصہ خاص طور پر ذرا غور سے سنا جائے۔

آج کل جب مذہب کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے چند عقائد، چند عبادات اور زندگی کے چند مراسم کا مجموعہ مراد ہوتا ہے، اس سے زیادہ اس وقت مذہب کے معنی کچھ نہیں سمجھے جاتے —— اسلام کو بھی بس ایک ایسا ہی مذہب سمجھا جا رہا ہے جس میں چند خاص عقیدوں اور خاص طرز کی چند عبادتوں کی تعلیم ہے۔ اور جو چند مخصوص مراسم کی پابندی چاہتا ہے —— اگر فی الحقیقت اسلام ایسا ہی مذہب ہوتا تو یقیناً اس میں ''جہاد'' کے کوئی معنی نہیں ہوتے مگر واقعہ یہ ہے کہ اسلام پوری انسانی زندگی میں ایک ''انقلابی اصلاحی دعوت'' کا نام ہے، وہ دوسرے مذہبوں اور دھرموں کی طرح صرف چند عقیدوں اور خاص طرز کی چند عبادتوں ہی کا مطالبہ نہیں کرتا بلکہ پوری حیات انسانی کو ایک ایسے معتدل سانچے میں ڈھالنا چاہتا ہے کہ اس سے زیادہ صالح اور معتدل طریق زندگی کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا اور یہ اس کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ زندگی کا دستور اور نظام بنانے پر اس کو قابو اور قدرت حاصل ہو —— اسی طرح مسلمان اس جماعت کا نام ہے جو اس ''انقلابی

اصلاحی دعوت'' کے نظریہ اور مسلک کو قبول کر کے خود اس کی داعی اور اس کے لئے ساعی بن جائے تو آج کل کی عام اصطلاح کے مسلمان کوئی قوم نہیں ہے بلکہ ایک بین الاقوامی پارٹی (جماعت؟) کا نام ہے جو انسانی دنیا کے نظام کے متعلق بھی ۔۔۔۔ کچھ خاص اصول اور نظریات رکھتی ہے اور اس کو یقین ہے کہ دنیا سے ظلم وجبر اور بے امنی اور بدچلنی کا خاتمہ جب ہی ہوسکتا ہے جب کہ ساری دنیا کا نظام ۔۔۔۔ ان اصولوں کے مطابق ہوجائے اور ظاہر ہے کہ یہ پاک مقصد بلا حکومتی اقتدار کے حاصل نہیں ہوسکتا اور حکومتی اقتدار کا حصول بغیر انقلابی جدو جہد کے ناممکن ہے ۔پس جہاد درحقیقت اس انقلابی جدوجہد ہی کا نام ہے جو الٰہی منشا کے مطابق دنیا میں امن وعدل کا نظام قائم کرنے کے لئے کی جائے ــــــ اسی کو ایک حدیث میں اس طرح ادا کیا گیا ہے کہ ''لِتَکون کلمۃُ اللہِ ھی العُلْیا'' یعنی جہاد کا منشا صرف یہ ہوتا ہے کہ خدا کا بول بالا ہو۔یعنی خدا کا قانون سارے غیر خدائی قانونوں سے بلند وبالا اور ان پر حاوی وحکمراں ہوجائے ــــــ الغرض اس میں شک نہیں کہ اسلام میں ''جہاد'' کا حکم ہے اور مسلمانوں کا اہم فریضہ اور اسلام کے انقلابی پروگرام کی آخری دفعہ ہے۔لیکن یہ سمجھنا کہ جس طرح دنیا میں دو قومیں اپنے مفاد یا میدانِ ترقی میں مسابقت کے لئے لڑ تی ہیں اسی طرح جب مسلمان کسی اور قوم سے ایسے ہی اغراض کے لئے جنگ کرے تو اس کا نام ان کے یہاں جہاد ہے ۔اور اسلام میں اسی کا حکم ہے،تو ایسا سمجھنا انتہائی غلطی ہے ــــــ میں پوری بصیرت اور ذمہ داری کے ساتھ اعلان کرتا ہوں کہ مسلمان اپنی قومی منفعت یا قومی بلندی کے لئے کسی سے لڑیں تو وہ ہرگز ''جہاد'' نہیں ہے بلکہ اسلام میں ہر ایسی لڑائی لڑنا حرام ہے جس کا مقصد خدا اور اس کے قانون کے سوا کسی اور کی بڑائی اور بلندی ہو۔اسی واسطے جہاد کے ساتھ ہر جگہ ''فی سبیل اللہ'' کی قید لگادی جاتی ہے تاکہ کوئی شخص ''اسلامی جہاد'' کو ''مسلمانوں کی قومی جنگ'' نہ سمجھ لے ــــــ ایک حدیث میں ہے کہ بعض لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ حضرت! جہاد فی سبیل اللہ کا کیا مطلب ہے؟ ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی شخص مال غنیمت حاصل کرنے کے ارادے سے جنگ کرتا ہے،اور کوئی اس غرض سے لڑائی میں حصہ لیتا ہے کہ اس کی شجاعت اور بہادری کو خراج تحسین ادا کیا جائے ، کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کسی پرانی عداوت کی بنا پر لڑائی میں حصہ لیتے ہیں، کچھ قومی حمیت اور عصبیت کے جوش میں لڑتے ہیں تو کیا ان میں سے کسی کی جنگ فی سبیل اللہ ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: نہیں،ان میں سے کسی کی جنگ بھی راہ خدا میں نہیں ہے ۔فی سبیل اللہ تو صرف اس شخص کی جنگ ہے جس کے پیش نظر خدا کا بول بالا کرنے کے سوا کوئی اور مقصد ہی نہ

ہو"۔ الغرض یہ نکتہ مسلمانوں اور نا مسلمانوں سب کو یاد رکھنا چاہئے کہ "اسلامی جہاد" کی اصل غرض وغایت "مسلمان قوم" کی بلندی اور حکمرانی بھی نہیں ہوتی بلکہ اس کا مقصد وحید بس خدا کا بول بالا کرنا اور لوگوں کو خدائی منشا کے مطابق نظام زندگی قبول کرانا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی جگہ کوئی مسلمان قوم حکمران ہو لیکن وہاں کا نظام حکومت خدائی قانون کے خلاف ہو، لوگوں پر ظلم اور جبر ہوتا ہو، فواحش اور منکرات کا رواج ہوتو اس حکومت کے خلاف بھی حقیقی مسلمان جہاد کرے گا۔۔۔۔ (اور اس کے لئے ہر ممکن جد وجہد کرے گا کہ اس نام نہاد مسلم حکومت کا رخ بھی درست ہو اور تمام لوگوں کو انصاف ملے)

کسی کو غلط فہمی نہ ہو میں یہ جو بار بار کہہ رہا ہوں کہ اسلامی جہاد کا منشا اور اس کی غرض وغایت خدا کا بول بالا کرنا، اور دنیا کے نظام کو قانون الٰہی اور منشاء خداوندی کے مطابق کرنا ہوتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ لوگوں کو زبردستی اور تلوار کے زور سے مسلمان بنانا مطلوب ہوتا ہے، اس کے متعلق تو قرآن نے صاف کہہ دیا کہ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ (یعنی دین کے بارے میں کوئی جبر اور زبردستی نہیں ہے ہدایت گمراہی سے ممتاز ہوچکی ہے تو جس کا جی چاہے ہدایت اختیار کرے اور جو چاہے گمراہی کے جہنم میں جائے)۔

دوسری جگہ فرمایا گیا: "فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا" (یعنی جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کی راہ اختیار کرے ہم نے کفر کرنے والوں کے واسطے آتش دوزخ تیار کر رکھی ہے)۔

غرض اسلام قبول کرنے نہ کرنے کا مسئلہ تو بالکل اختیاری ہے —— اور جہاد کے مقصد کے متعلق جو کچھ میں نے عرض کیا ہے اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اسلام سیاسی اقتدار غلط ہاتھوں میں نہیں رہنے دینا چاہتا اور وہ اس کو گوارہ نہیں کرتا کہ جو لوگ قانون خدا کے باغی یا اس سے نا آشنا ہوں دنیا کے نظم ونسق پر ان کا قبضہ رہے کیونکہ ایسی صورت میں انسانوں پر لازماً جبر وظلم ہوتا ہے اور دنیا میں شرارتیں اور بدیاں فروغ پاتی ہیں۔ خدا کے کمزور بندے پامال ہوتے ہیں اور طاقتور فرعون اور نمرود بن کر خلقِ خدا پر خدائی کرنے لگتے ہیں فواحش کی گرم بازاری ہوتی ہے اور برائیاں نیکیوں کی جگہ لے لیتی ہیں، اور یہ کوئی نظری مسئلہ نہیں ہے بلکہ آنکھوں دیکھی وہ حقیقت ہے جس کا ہم ہر وقت مشاہدہ کر رہے ہیں کہ صرف وعظ اور نصیحت سے لوگ بد معاشیوں اور شرارتوں سے باز نہیں آتے، اگر ایسا ہوجایا کرتا تو حکومتوں کو پولس اور محکمۂ عدل وانصاف کی وجہ

سے کروڑوں روپئے کے مصارف کی زیر باری نہ ہوا کرتی۔

۔۔۔۔۔اسلام چاہتا ہے کہ زیر دستوں پر زبردستوں کے ظلم وجبر کے تمام طریقوں کو ختم کر دے، کوئی کمزور اپنی بے کسی اور بے بسی کی وجہ سے دکھی نہ رہے، کوئی اسے ڈرا دھمکا نہ سکے، کوئی اس سے بے گار نہ لے سکے، غرض اس کی کمزوری سے کوئی ناجائز فائدہ نہ اٹھا سکے۔

اسی طرح وہ چاہتا ہے کہ غریبوں کو لوٹنے کے جتنے بھی ایسے طریقے ہیں جن کو دوسری حکومتوں کے دستوروں نے جائز قرار دے دیا ہے ان سب کا خاتمہ کر دیا جائے۔مثلاً سود اور اس کی تمام صورتوں کو قطعاً بند کر دیا جائے، زمین کے متعلق ایسے قوانین رائج کئے جائیں جن کی وجہ غریب کاشتکار اپنی محنت کا واجبی پھل کھا سکے۔مزدوروں پر کام کا حد سے زیادہ بوجھ ڈال دینا اوران کو پوری اجرت نہ دینا یا پریشان کر کے دینا، یا معمولی حیلے بہانوں سے ان کی اجرتیں کاٹ لینا وغیرہ وغیرہ ان جیسے تمام مظالم اور مفاسد کی جڑ کاٹ دی جائے۔

اسی طرح اسلام چاہتا ہے کہ فواحش اور بے حیائیوں کا بازار قطعا بند کر دیا جائے۔حرام کاری کی کوئی دوکان اور بدمعاشی کا کوئی اڈہ باقی نہ رہے، جوا، سٹہ اپنی تمام گونا گوں قسموں کے ساتھ ختم کر دیا جائے ——غریبوں کا خون چوسنے والے مہاجن اور ساہوکار باقی نہ رہیں، رشوت خور حکام نہ رہیں، جھوٹے مقدمے لڑانے والے وکیل نہ رہیں، امن اور انصاف کی حکومت ہو، انصاف سستا ہو، ان لعنتی اور تاجرانہ ''قانونوں'' کا خاتمہ کر دیا جائے جو مختلف حیلوں سے مدعی اور مدعا علیہ دونوں پر مصارف کا اتنا بار ڈال دیتے ہیں جن کو وہ برداشت ہی نہیں کر سکتے اور اس بے پناہ بار کی وجہ سے جیتنے والا فریق بھی نتیجہ کے اعتبار سے اپنی ہار ہی محسوس کرتا ہے۔الغرض اسلام چاہتا ہے کہ دنیا کو ان تمام لعنتوں سے پاک کر دے۔اور انسانیت جو ان مظالم کے بوجھ سے دبی ہوئی سسک رہی ہے اس کو نجات دے۔اب آپ خود ہی غور فرمائیں کہ یہ اصلاحیں بغیر حکومت۔۔۔ اور اقتدار میں آئے نافذ ہو سکتی ہیں؟ اور کیا شر و فساد کی یہ دنیا بغیر حکومت کے تازیانہ کے ان تمام اصلاحات کو برضا و رغبت قبول کر سکتی ہے؟ یقیناً ایسا نہیں ہے —— تو اب دو ہی راہیں ہیں یا تو دنیا کو اپنے حال پر چلنے دیا جائے، زبرست زیر دستوں پر ظلم کرتے رہیں، طاقتور کمزوروں کو نگلتے رہیں، مہاجن اور ساہوکار غریبوں کا خون چوستے رہیں، زنا خانے، شراب خانے اور قمار خانے آباد اور پر رونق رہیں، عدالت کی کرسیوں پر رشوت خور حاکم قابض رہیں اور وہ رشوتیں لے

لے کر سچائی کے خلاف فیصلے کرتے رہیں، جھوٹے مقدمے کامیابی کے ساتھ لڑانے والے وکیل باقی رہیں اور زبان کے زور سے سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنانے کے نمونے روز پیش کرتے رہیں۔سچائی ذبح ہوتی رہے اور انسانیت تڑپتی رہے —— تو ایک راہ تو یہ ہے کہ یہ جو کچھ جس طرح ہو رہا ہے یوں ہی ہوتا رہے —— اور دوسری راہ یہ ہے کہ ایسے باطل نظام اور ظلم وفساد کے ایسے دستور کو توڑ پھوڑ دیا جائے وہ طریق حکومت قائم کیا جائے جس کے بعد ملک میں ایک چور نہ رہے ،ایک ڈاکو اور قزاق نہ رہے ،مہاجنی اور ساہو کاری ختم ہو جائے ،غریبوں کا خون چوسنے والی موٹی موٹی جونکیں اپنی موت مرجائیں،ایک رشوت خور حاکم نہ رہے بلکہ کسی رشوت خور کو پولس کا کانسٹیبل اور چپراسی بھی نہ رکھا جائے ،وکیلوں کے جھوٹ اور فریب کا خاتمہ کر دیا جائے ،انصاف سستا بلکہ مفت ہو جائے ۔ اور تمام قانون نما مظالم اور مفاسد کی جڑ کٹ جائے —— ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ حکومت کی باگ ڈور اللہ کے صالح اور خدا ترس بندوں کے ہاتھ میں نہ آئے۔

تو اسلام کہتا ہے کہ اس مقصد عظیم کے لئے ہر ممکن جدوجہد کی جائے اور جن لوگوں نے خدا کے دین کو قبول کیا ہے اور خدا کے رسول سے عہد اطاعت کیا ہے وہ اپنا سفر صرف اپنے ذاتی عقیدوں کی درستی اور شخصی اعمال کی اصلاح پر ختم نہ کر دے بلکہ اس کے بعد وہ انسانیت کی فلاح اور دنیا میں صحیح نظام حکومت قائم کرنے کے لئے کوشاں اور سرگرداں رہیں بس اسی انقلابی کوشش کا نام ''جہاد فی سبیل اللہ'' ہے۔اب ہر منصف مزاج یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ یہ کوئی اچھی چیز ہے یا بری۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس انقلابی تحریک کی قدم قدم پر مزاحمتیں ہوں گی ،جو لوگ غلط نظامہائے حکومت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے عادی بن چکے ہیں وہ مزاحم ہوں گے،چور اور بدمعاش اس کوششوں میں حائل ہوں گے۔فواحش اور معصیات کے دلدادہ راستہ روکیں گے،مہاجن اور ساہو کار مزاحم ہوں گے ،غرض اس اصلاحی تحریک سے جن جن کے اغراض اور مفادات پر اثر پڑے گا وہ سب مزاحم ہوں گے اور ان مزاحمتوں کی وجہ سے جنگ کی صورت پیدا ہوگی اور نوبت خون ریزی کی بھی آئے گی۔لیکن غور کرنے کی بات یہ ہے کہ کیا ایسے چند انسانوں کے خون سے بچنے کے لئے اتنی بڑی عالمگیر اصلاح کی تحریک کو معطل کر دیا جائے یا اس تھوڑے سے خون کی پرواہ کئے بغیر آگے بڑھا جائے اور اس قربانی کو گوارہ کرکے ہمیشہ کے لئے فسادات اور خونریزیوں کا خاتمہ کر دیا جائے —— اسلام اسی دوسرے نظریہ کا قائل

ہے اوراس کے جہاد کا بس یہی مقصد ہے۔ بیشک ہمارے جہاد میں بھی خون کے کچھ قطرے گرے ہیں لیکن ان چند قطروں نے خون کی بہنے والی ندیوں کے لئے ''بند'' کا کام دیا ہے ۔یایوں کہئے کہ انھیں چند قطروں نے ظلم وفساد کی بھڑکنے والی آگوں کو بجھایا ہے۔غالباً مولانا ظفر علی خان کا شعر ہے:

خون کی بارش سے، اوظلم وستم کی دنیا!
آگ بیداد وتشدّد کی بجھائی ہم نے

جہاد کے اسی مقصد کی طرف قرآن پاک کی اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے:

قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (اورتم دشمنان حق وصداقت سے جنگ جاری رکھواس وقت تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اوراطاعت صرف اللہ کے قانون کی ہو۔)

میں امید کرتا ہوں کہ میری اتنی تشریح اور توضیح سے اسلامی جہاد کا مقصداوراس کی حقیقت آپ حضرات نے پوری طرح سمجھ لی ہوگی اور یہ بھی اب آپ سمجھ چکے ہوں گے کہ اسلامی جہاد کوصرف ''دفاعی جنگ'' میں محدود کرنا حقیقت سے کس قدر دور ہے، دراصل یہ دفاعی اور ہجومی جنگ کا سوال قومی جنگوں میں پیدا ہوسکتا ہے، اسلام کا نظریہ اس سے وراء الوارء ہے، اس کے پاس دنیا کے نظام کی اصلاح کا ایک پیام اور دستور ہے اوروہ اس کو ساری دنیا سے منوانا چاہتا ہے جولوگ اس کو بطیب خاطر منظور کرلیں یعنی اس صالح نظام میں داخل ہونا قبول کرلیں پھر اسلام ان سے کچھ نہیں چاہتا، نہ ان کے مالوں میں حصہ بانٹتا ہے، نہ ان کی زمین چھینتا ہے بلکہ اپنی اصلاح قبول کرا کے وہ اپنا انقلابی کام ختم کردیتا ہے بلکہ ان کی ہر طرح کی حفاظت کی ذمہ داری بھی مسلمانوں ہی کے سر ڈال دیتا ہے جن کی حیثیت اسلام کی سرکاری فوج کی ہے اوراس خدمت کے عوض ان کو صرف جزیہ کی قلیل مقدار وصول کرنے کا حکم دیتا ہے۔لیکن جولوگ اس کی اصلاح کی راہ میں مزاحم ہوں تو پھر اسلام اپنی طاقت سے اس مزاحمت کو دفع کرکے اپنی اصلاح کو جبراً بھی قبول کراتا ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے: هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو پیام ہدایت اورقانون حق دے کر بھیجا تا کہ اس قانون کو تمام دوسرے قانونوں پر غالب کردیا جائے اگرچہ مشرک لوگ اس کو بخوشی گوارہ نہ کریں)۔

الغرض جہاد کا منشا قانون الٰہی یا بالفاظ دیگر کلمۃ اللہ کی بلندی اور (عدل اجتماعی) ہے!!

حضرات! یہ ہے اس جہاد کی حقیقت جو اسلامی تحریک کے پروگرام کی آخری دفعہ ہے اور اسی لئے اس کو اسلام کی چوٹی بتلایا گیا ہے ——— (و ذروۃ سنامہ الجہاد)

جہاد کی اس غرض پر مزید روشنی اسلام کے قانون جہاد سے بھی پڑتی ہے۔ اسلام کا مشہور مسئلہ ہے کہ جس قوم کی طرف اسلامی لشکر پیش قدمی کرے پہلے اس کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی جائے اگر وہ اس کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہو تو اس سے جزیہ کا مطالبہ کیا جائے یعنی اس کو دعوت دے دی جائے کہ وہ حکومت الٰہیہ کی ماتحتی منظور کر لیں۔ یا آج کل کی اصلاح میں یوں سمجھئے کہ اسے کہا جائے کہ حکومت الٰہیہ کے سیاسی نظام سے وہ اپنے کو منسلک کر دیں (بالفاظ دیگر معاشرہ کی اجتماعی قیادت کے حق سے دست بردار ہو جائیں تا کہ بلا کسی تفریق کے سب کو انصاف دلانے کا کام کیا جا سکے)، پھر اگر وہ اس سے بھی انکار کرے تو آخر کار جنگ کی جائے ——— اس ترتیب سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اسلام کی جنگ کا مرکزی نقطہ اسلام قبول کرنا نہیں ہے بلکہ قانون الٰہی کی ماتحتی اور اسلام کے سیاسی نظام سے وابستگی کا مسئلہ اصل مدار جنگ ہے ——— پھر جب جنگ شروع ہو جائے تو اس کے متعلق جو ہدایات اسلام دیتا ہے وہ بھی ''اسلامی جہاد'' کو ''قوموں کی باہمی جنگوں'' سے ممتاز کر دینے والی چیز ہے ——— احادیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب جہاد کے لئے کسی لشکر کو روانہ فرماتے تو پہلے ان کو خوف خدا اور تقویٰ کی پابندی کی نصیحت فرماتے اس کے بعد آپ کا ارشاد ہوتا: ''**اغزوا بسم اللہ و فی سبیل اللہ قاتِلوا مَن کفر باللہ، اغزوا و لا تغدروا و لا تغلوا** ـــ ـــ ـــ ـــ بڑھو، اللہ کا نام لے کر، بڑھو خدا کی راہ میں جنگ کرو اُن سے جو خدا کے منکر اور قانون خدا کے باغی ہیں، جنگ کرو، لیکن خبردار! کوئی عہد شکنی اور دھوکہ، فریب نہ ہو، اور خیانت نہ ہو۔'' **و لا تمثلوا و لا تقتلوا ولیداً** '' اور دیکھو کسی کا مثلہ نہ کیا جائے یعنی اس کے ناک کان وغیرہ اعضاء نہ کاٹے جائیں اور کسی بچے کو خبردار قتل نہ کرو۔

نیز آپ سخت تاکید فرماتے کہ کسی بوڑھے کو جنگ میں قتل نہ کیا جائے۔ عورتوں پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے۔ کسی قوم کے راہبوں (سنیاسیوں) اور درویشوں کو نہ مارا جائے۔

پھر آپ کے خلیفۂ اول حضرت صدیق اکبرؓ نے جب شام میں جہاد کے لئے لشکر روانہ فرمایا تو اس کو دس ہدایتیں دی تھیں جو حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں آج بھی موجود ہیں وہ یہ تھیں:

(۱) عورتیں، بچے اور بوڑھے قتل نہ کئے جائیں۔

(۲) کسی کا مثلہ نہ کیا جائے۔

(۳) راہبوں اور عابدوں کو نہ ستایا جائے اور ان کے عبادت خانے نہ گرائے جائیں۔

(۴) کوئی پھل دار درخت نہ کاٹا جائے اور کھیتیوں میں آگ نہ لگائی جائے۔

(۵) آبادیاں ویران نہ کی جائیں۔

(٦) جانور جو اپنی غذا نہ ہوں ان کو ہلاک نہ کیا جائے۔

(۷) بدعہدی سے ہر حال میں پرہیز کیا جائے۔

(۸) جو لوگ اطاعت قبول کرلیں ان کی جان و مال کا ویسا ہی احترام کیا جائے جیسا مسلمانوں کے انفس واموال کا کیا جاتا ہے۔

(۹) مال غنیمت میں خیانت نہ کی جائے۔

(۱۰) جنگ میں پیٹھ نہ پھیری جائے۔

ان ہدایات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ''اسلامی جہاد'' اور ''قوموں کی باہمی جنگوں'' میں کیا جوہری فرق ہے —— پھر یہ صرف زبانی ہدایتیں ہی نہیں تھیں بلکہ عمل بھی بالکل ان ہی حدود میں تھا۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک غزوہ میں اسلامی فوج کے بعض سپاہیوں نے غیر قانونی طور پر جنگل سے کچھ بکریاں پکڑلیں اور ذبح کرکے ان کا گوشت بھی پکانا شروع کردیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے بھری دیگچیاں اُلٹوادیں اور فرمایا: انَّ النهبةَ ليست بِأحلّ من الميتة (یعنی اس طرح لوٹ مار کر کے جو حاصل کیا جائے وہ مردار جانور کی طرح ہی حرام ہے)

حضرات! ان تمام چیزوں سے اسلامی جہاد کی حقیقت آپ پر واضح ہوگئی ہوگی اب میں صرف یہ اور بتانا چاہتا ہوں کہ اسلام میں اس جہاد کا کیا مقام ہے اور اس کی کتنی بڑی فضیلت ہے۔ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ (صف ع ۱) اللہ تعالی ان مجاہدوں کو پیار کرتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح ڈٹ کر جہاد کرتے ہیں گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا گیا: اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ

وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ط يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ط وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ط وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔ اللہ تعالی نے مسلمانوں کے اموال اوران کی جانیں جنت کے عوض میں خرید لی ہیں۔ وہ راہ خدا میں جہاد کریں پس ماریں اورمریں، یہ خدا کا حتمی وعدہ ہے جومجاہدین سے کیا گیا ہے توریت میں بھی، انجیل میں بھی اورقرآن میں بھی، اوراللہ سے زیادہ اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا اورکون ہوسکتا ہے؟ پس تم خرید وفروخت کے اس معاملہ پرخوش ہوجاؤ جوتمہارا خدا سے ہوا ہے اور یہ بہت بڑی فلاح اورکامیابی ہے۔

حضرات! اگران دوآیتوں کے علاوہ جہاد کی فضیلت میں کچھ بھی وارد نہ ہوا ہوتا تو یہی دوآیتیں کافی تھیں، خدا کی محبت اور جنت جس قیمت اورجس قربانی سے بھی حاصل ہوسکے بہت سستی ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ جہاد کے فضائل اس سے بہت زیادہ ہیں حدیث کی کتابوں میں آپ کوسیکڑوں ایسی حدیثیں ملیں گی جن میں جہاد اورمجاہدین فی سبیل اللہ کے نہایت بلند فضائل بیان کئے گئے ہیں، میں صرف چند حدیثیں اس وقت آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ ایک حدیث میں ہے: **غدوۃٌ اَو روحۃٌ فی سبیلِ اللّٰہ خیرٌ مِن الدنیا و مافیھا** (یعنی اللہ کے راستے میں جہاد کے لئے ایک دفعہ صبح کو یا شام کونکلنا دنیا اوردنیا کی ساری کائنات سے زیادہ بہتر اورقیمتی ہے)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ "**انَّ مقامَ احدِکم فی سبیل اللّٰہ ساعۃً افضلُ مِن صلٰوتِہ فی بیتہ سبعین عاما**" یعنی تھوڑی سی دیر جہاد میں کھڑا ہونا اپنے گھر میں ستر سال نماز پڑھنے سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے) ایک اورحدیث میں ہے: **مَن قاتَل فی سبیل اللّٰہ فواقَ ناقۃٍ وجبت لہ الجنۃ** (یعنی جس نے اتنی دیر اللہ کے راستے میں جہاد کیا جتنی دیر میں کہ اونٹنی پسائی جاتی ہے تو جنت اس کے لئے واجب ہوگئی) ایک اورحدیث میں ہے کہ **لایَجمعُ علی عبدٍ غبارٌ فی سبیلِ اللّٰہ و دخانُ جھنم** (اللہ کے کسی بندے پردو چیزیں جمع نہ ہوں گی ایک جہاد فی سبیل اللہ کا غبار اوردوسرے جہنم کا دھواں، یعنی جس پر جہاد کے سلسلہ میں کبھی ذرا سا بھی غبار پڑ گیا وہ بھی جہنم کی آگ سے محفوظ رہے گا) ایک اورحدیث میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **الجنۃُ تحتَ ظلالِ السیوف**۔ اور ایک روایت کے الفاظ ہیں: **الجنۃُ تحتَ بارقۃِ السیوف** (یعنی جنت تلوار کی چھاؤں میں یا تلواروں کی باڑ کے نیچے ہے)

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض شہداء کے متعلق فرمایا کہ شہادت کے بعد جب خدائی دربار میں ان کی پیشی ہوئی تو ان سے باصرار پوچھا گیا کہ تم کیا چاہتے ہو یعنی اپنے منہ سے کوئی مراد مانگو تو انھوں نے بس یہی درخواست کی کہ ہم کو پھر سے زندہ کر کے دنیا میں بھیج دیا جائے تا کہ ہم پھر تیری راہ میں جہاد کریں اور پھر شہید کئے جائیں، گویا ان کے لئے اس سے بڑھ کر کسی اور لذت کا تصور ہی نہ تھا، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں یہ تمنا ظاہر فرمائی: **لوَ دِدتُّ أنی أُقتَل فی سبیلِ اللہ ثم أُحیٰ ثم أُقتَل ثم أُحیٰ ثم أُقتَل** یعنی میرا جی چاہتا ہے کہ مجھے اللہ کے راستے میں شہید کیا جائے اور پھر میں زندہ کیا جاؤں، پھر شہید کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر شہید کیا جاؤں)

اب میں ایک وعیدی حدیث پر اس سلسلہ کو ختم کرتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **مَن مات و لم یَغز و لم یحدث بہ نفسہ فقدمات علی شعبۃٍ مِن النفاق** (یعنی جو شخص اس حال میں مر گیا کہ نہ تو اس نے جہاد میں کبھی عملی حصہ لیا اور نہ کبھی اس کے دل میں جہاد کی آرزو اور اس کا ولولہ پیدا ہوا تو وہ ایک قسم کی منافقت کی حالت میں مرا)

حضرات! یہ ہے اسلام میں جہاد کا مقام اور یہ ہیں اس کے فضائل و مراتب **وفی ذٰلك فَلیَتَنافِسِ الْمُتنافِسُون۔**

اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والوں اور راہ خدا میں سر کٹانے والوں کی ایک ممتاز فضیلت اور یاد آئی، بات ناتمام رہ جائے گی اگر اس کو ذکر نہ کروں۔ اور وہ فضیلت قرآن کریم میں بیان کی گئی ہے ارشاد ہے: **وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ط بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ** (جو لوگ راہ خدا میں قتل کئے جاتے ہیں ان کو ''مردہ'' مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم کو ان کی حیات محسوس نہیں ہوتی)۔ گویا جو شخص راہ خدا میں جان دیتا ہے اس کو ابدی حیات کا پروانہ مل جاتا ہے کہنے والے نے کہا:

زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں حق کے نام پر
اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا

محترم حضرات! اسلامی جہاد کی حقیقت و اہمیت اور اس کے فضائل کے متعلق آج جو کچھ میں نے کہنے کا ارادہ کیا تھا بحمد للہ میں وہ سب کہہ چکا، آخر میں صرف اتنا اور عرض کرنا ہے کہ یہ جہاد جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں اسلام میں انقلابی تحریک کا آخری قدم ہے، اس وقت ہم جس حال میں ہیں یہ آخری قدم فی

الفورنہیں اٹھایا جاسکتا، پہلے ہمیں تحریک کی پہلی دفعات پر عمل کر کے (اور جہاد کی بقیہ تمام شکلیں اختیار کر کے) اپنے آپ کو اس آخری قدم کے قابل بنانا ہے، ابھی ہم کو جماعت کی صحیح تنظیم اور حزب اللہ کی تشکیل اور اَعِدُّوا لهم ما استطعتم کے مطابق دوسری ابتدائی تیاریاں بھی کرنی ہیں، اور یہ سب کچھ بھی جہاد ہی کے مبادی بلکہ اس کے خاص شعبے ہیں، اس کے بعد جب ہماری تیاریاں مکمل ہو جائیں اور کوئی سازگار فضا پیدا ہو تو اگلا قدم اٹھا دینا ہمارا فرض ہوگا۔

ایمان والے بزرگو اور دوستو! جہاد کی تعلیم ہمارے یہاں مُردہ نہیں ہوئی ہے اور نہ اُس کا حکم زائد المیعاد ہوا ہے، دوسرے اسلامی احکام کی طرح جہاد کا حکم بھی قیامت تک باقی رہنے والا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: **الجهادُ ماضٍ الی یومِ القیمة**

حضرات! اب میں اپنی گذارشات کے اس سلسلہ کو یہیں ختم کرتا ہوں اس کے بعد کل اور پرسوں کی باقی دو تقریروں میں انشاء اللہ العزیز یہ بتلاؤں گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد سعادت میں جب ٹھیک اسی ترتیب کے ساتھ اسلامی تحریک کی ان دفعات پر عمل کیا گیا تو اس سے کیا نتائج پیدا ہوئے، حکومت الٰہیہ کس طرح قائم ہوئی، اس کا نظم ونسق کیا تھا اور کیا دنیا کی تاریخ میں اُس سے بہتر یا اس جیسی حکومت دنیا کے کسی حصے میں کبھی ہوئی ہے؟ حق تعالیٰ مجھ کو صحیح صحیح کہنے کی اور ہم سب کو صحیح طریقہ سے عمل کرنے کی توفیق دے اور ہماری مدد فرمائے۔ **ربنا تقبّل منا انك انت السميع العليم**

(ماخوذ از: الفرقان: جلد ۸ شمارہ ۵و۶)

(جمادی الاولی و جمادی الاخری ۱۳۶۰ھ)

افادات: حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ
مرتب ملفوظات: حضرت مولانا محمد عیسیٰ الٰہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ
انتخاب وپیشکش: یحییٰ نعمانی

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس ارشاد

قسط نمبر (۴)

[اِس سلسلہ کی گذشتہ (یعنی تیسری) قسط اکتوبر ۲۰۱۱ء کے شمارے میں پیش کی گئی تھی، ——— ادارہ]

(۹۷۷) ایک مرید نے کہا کہ لوگ حضرت کو برا بھلا کہتے ہیں تو میرے دل کو تکلیف ہوتی ہے، فرمایا کہ سیکڑوں لوگ خدا کو برا بھلا کہتے ہیں، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برا بھلا کہتے ہیں، مجتہدین کو برا بھلا کہتے ہیں۔ آپ نے اس کا کچھ انسداد کیا۔ اگر نہیں کیا تو بس ایک نالائق اشرف علی ہی کے برا بھلا کہنے سے آپ کو تکلیف ہوتی ہے جو اس کے انسداد کی فکر ہوئی۔ کچھ بھی نہیں آپ میں مادہ کبر کا ہے۔ آپ کو اس لئے ناگوار ہوتا ہے کہ ہمارے اکابر کو برا بھلا کہنے میں ہماری ذلت وخواری ہے، یہ ہے کید نفس کا۔ پھر فرمایا کہ خیر اگر تکبر بھی نہ سہی لیکن میں یہ پوچھتا ہوں کہ آخر آپ کو اس کی فکر ہی کیوں ہوئی کہ کوئی برا نہ کہے بھلا نہ کہے اس میں کیا بگڑ گیا آپ کا۔ اگر مقصود پر نظر ہوتی تو ایسے فضول قصوں کے پیچھے پڑنے کی آپ کو فرصت ہی کب ہوتی؟

(۹۸۰) فرمایا کہ اصرار کی عادت سخت تکلیف دہ ہے۔ اس لئے مجھے سفر کا تحمل نہیں ہوتا ویسے سفر تفریح کی چیز ہے لیکن چونکہ اس میں اصرار ہوتا ہے نیز انضباط اوقات بھی نہیں ہوتا اس لیے نہایت تکلیف ہوتی ہے۔ نیز ہجوم سے بھی طبیعت پریشان ہوتی ہے اور اپنی راحت کے لئے پہرہ بٹھانا اول تو بزرگوں کی وضع کے خلاف ہے دوسرے عداوتیں پیدا ہوجاتی ہیں۔

(۹۸۱) فرمایا کہ مشہور تو یہ ہے **تعاملوا کالا جانب و تعاشروا کالا خوان** یعنی معاملہ کرو مثل اجنبیوں کے اور معاشرت کرو مثل بھائیوں کے لیکن چونکہ آج کل مشکل ہے کہ اخوان کے ساتھ معاملہ تو ہو مگر

ہوا جانب کا سا اس لئے میں نے ترمیم کی ہے یعنی تعاملوا مع الاجانب و تعاشروا مع الاخوان یعنی معاملہ کرو اجنبیوں کے ساتھ اور معاشرت کرو بھائیوں کے ساتھ یعنی اخوان کے ساتھ معاملہ بھی نہ کرو اکثر دیکھا ہے کہ اپنوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں خرابی ہوتی ہے اور نقصان بھی اٹھانا پڑتا ہے۔

(۹۸۳) فرمایا کہ اکابر کو اس کا قصد ہی نہ ہوتا تھا کہ اپنے اوپر سے طعن کو ہٹاویں اگر پڑے پڑنے دیتے تھے۔

(۹۹۷) فرمایا کہ میں نے عوارف میں دیکھا ہے کہ ایک بزرگ کو بڑھاپے میں تغیر ہوا کہیں چیخ اٹھے کہیں رونے لگے۔ لوگوں نے اس تغیر کا سبب پوچھا تو یوں کہا کہ اب ہم ضعیف ہو گئے اس لئے ضبط نہیں ہوتا۔ خود اہل فن نے فیصلہ کیا ہے کہ ایسے تغیرات ضعف سے ناشی ہوتے ہیں۔

(۱۰۰۲) فرمایا کہ صلحاء کی طرف ہدیہ آنا علامت ہے مہدی الیہ کے مردود نہ ہونے کی، بڑی بات تو یہ ہے۔ ایک بزرگ جو ذرا آزاد تھے انہوں نے مجھ سے یہ لفظ کہے تھے کہ ہدایا ہر شخص کے پاس نہیں آتے بلکہ سرکاری آدمی ہی کے پاس آتے ہیں۔ ہدیہ آنا اس کی علامت ہے کہ وہ شخص سرکاری آدمی ہے۔

(۱۰۱۱) کشف قبور کے متعلق فرمایا کہ اس میں بہت غلطیاں ہوتی ہیں کیونکہ جب ناسوت کے کشف میں غلطیاں ہوتی ہیں تو ملکوت کے کشف میں تو بہت غلطیاں ہوسکتی ہیں، کیونکہ انسان کو بہ نسبت ناسوت کے ملکوت سے بہت کم مناسبت ہے مثلاً کسی مردہ کو مبتلائے عذاب دیکھنے سے بدگمانی ہوتی ہے اور راحت و انعام میں دیکھنے سے بے فکری پیدا ہوتی ہے۔ غرض کشف قبور ہر طرح سے مضر ہے۔ علاوہ اس کے ان امور میں خیال کی بھی بہت آمیزش ہوتی ہے تلبیس ابلیس کا بھی اس میں احتمال رہتا ہے۔ یہاں تک کہ کبھی ایسا واقعہ ہوتا ہے کہ کافر کی جانکنی کے وقت شیطان اس کے خیال میں تصرف کر کے جنت کا خیالی نقشہ اس کے سامنے پیش کر دیتا ہے اور نہ اس پر ہراس ہوتا ہے نہ خوف نہایت ہشاش بشاش انتقال کرتا ہے۔ یہ محض اوروں کی تلبیس کے لئے ایسا کرتا ہے کہ لوگ یہ سمجھنے لگیں کہ جنت کے حصول کے لئے اسلام شرط نہیں ہے جو مسلمان نہ ہو وہ بھی جنت میں جا سکتا ہے۔ کس قدر زبردست تلبیس ہے خدا بچاوے۔

(۱۰۳۰) فرمایا کہ حفظ صحت کی مصلحت کسی مستحب کی تحصیل سے مقدم ہے، مثلاً صبح کو ہوا خوری کے لیے جنگل کی طرف جانا مسجد میں اشراق کی نماز کے لیے تا طلوع آفتاب بیٹھے رہنے سے افضل ہے۔

(۱۰۳۹) فرمایا کہ مصائب کا معاصی سے مسبب ہونا یہ تمام مصائب کے لیے نہیں بلکہ حقیقی

مصائب کے لیے ہے۔ کیونکہ ایک صوری مصیبت ہوتی ہے۔ جیسا کہ کسی معشوق کا کسی عاشق کو زور سے آغوش میں دبا لینا جس سے اس کی ہڈی پسلی ٹوٹنے لگے۔ یہ صورتِ مصیبت ہے جس کا اثر محض جسم پر اور روح حیوانی پر ہی ہوتا ہے۔ روح انسانی اس سے محظوظ اور لذت گیر ہوتی ہے۔ اور ایک حقیقی مصیبت ہوتی ہے جیسے ایک دشمن سے دوسرے دشمن کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے۔ پس قرآن مجید کی آیت وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ میں حقیقی مصیبت مراد ہے اس لیے لامحالہ اس کے مخاطب بھی وہی ہوں گے جو اس حقیقی مصیبت میں مبتلا ہیں۔ باقی اہل اللہ مثل انبیاء و اولیائے کاملین اس کے مخاطب نہیں کہ ان کی مصیبت محض صوری ہے حقیقی نہیں یہی وجہ ہے کہ وہ دل سے پریشان نہیں ہوتے گو جسم متالم ہو۔ اور ثمرہ اس کا رفع درجات ہوتا ہے اور یہی حال بچوں کی تکلیف کا ہے۔

(۱۰۴۳) ایک صاحب نے لکھا کہ حضرت والا سے نیز دوسرے اہل اللہ سے تعلق رکھتے ہوئے مدت ہوگئی مگر اپنی حالت اس مشہور شعر کے بالکل مطابق ہے ؎

خر عیسیٰ اگر بہ مکہ رود
باز آید ہنوز خر باشد

اور یہ بھی لکھا کہ زیادہ پریشانی اس کی ہے کہ اگر احسان کا حصول ممکن نہیں تو کاش اس کی تحصیل کا خیال ہی دل سے نکل جاتا، پس اولاً تو یہ فرمائیں کہ آیا ہم میں صلاحیت حصول مقصود ہے یا نہیں اور دوم کہ ہمارے مدرسہ میں عنقریب تین ماہ کی تعطیل ہونے والی ہے اگر آپ کے نزدیک آپ کی خدمت میں حاضر ہونا مقصود کے لیے نافع ہو تو قدم بوسی کے لیے تیار ہوں اور اگر خدانخواستہ آپ کی خدمت میں کامیابی کی توقع نہ ہو تو آپ لوجہ اللہ اس کی ہدایت فرمائیں کہ کس کے پاس جاؤں۔ جواباً تحریر فرمایا کہ قبل طلب و قبل سعی و قبل عمل و قبل حضور خدمات حضرات اہل اللہ جو آپ کی حالت تھی کیا بالکل اب بھی وہی حالت ہے۔ کچھ بھی تفاوت نہیں ہوا یا کچھ تفاوت ہے غالباً اگر آپ تامل و تذکر و موازنہ حالتین کے بعد جواب دیں گے تو یہ ہرگز نہ کہیں گے کہ تفاوت نہیں۔ ضرور تفاوت کے قائل ہوں گے گو اس کے ساتھ یہ بھی کہہ دیں کہ تفاوت تو ہے مگر اس کو استقرار نہیں کبھی حضور ہے کبھی غفلت کبھی قوت ہے کبھی ضعف۔ کبھی کچھ کیفیت ہوتی ہے کبھی نہیں تو یہ تسلیم کیا جائے گا مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس کو محرومی و ناکامی کہا جائے۔ کیا اگر مریض کا مرض روزانہ شیئاً فشیئاً کم ہوتا جائے اور صحت شیئاً فشیئاً بڑھتی جائے تو کیا علاج کو غیر مفید کہیں گے بلکہ قاعدہ تو یہ ہے کہ اگر یہ تفاوت مریض کو بھی محسوس نہ ہو صرف طبیب ہی کو اپنے قواعد طبیہ سے معلوم ہوتا ہو اور وہ اس کا حکم کرے

تب بھی مریض کو واجب ہوگا کہ تسلیم کرے اور حق تعالیٰ کا اولاً اور طبیب کا ثانیاً شکر گزار ہو ورنہ سخط حق اور کدورت اطباء کا قوی اندیشہ ہے جو احیاناً سبب بن جاتا ہے نعمت کے چھن جانے کا، تَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّناً وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ وہ مریض سخت غلطی کر رہا ہے کہ خود اپنے مرض کے متعلق شفایاب نہ ہونے کی تشخیص کر رہا ہے اور اس سے بڑھ کر اس کی غلطی یہ ہوگی کہ اس کو خدا تعالیٰ نے عزم وسامان معالجہ کا دیا ہوا اور وہ اس کی ناقدری کرکے یہ تمنا کرے کہ کاش عزم ہی دل سے نکل جاتا کہ بے فکری سے دسرے فضول یا مضر کاموں میں یکسوئی سے مشغولی ہوتی۔ مولانا اگر طلب اور حق تعالیٰ کے ساتھ زیادت تعلق محبوب ہے تو کیا دوسرا کام بھی اس پر ترجیح رکھتا ہے یا لائمین کے کہنے سے صدمہ ہوسکتا ہے اس سے تو شبہ ہوتا ہے کہ حق کی طلب ہی نہیں بلکہ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ مطلوب مطلقاً تو مطلوب نہیں ہاں اگر وہ وعدۂ وصال کرے تو کوشش کریں ورنہ گولی ماریں۔ سبحان اللہ کیسی اچھی طلب ہے مولانا ایک قحبہ عورت بھی اپنے طالب سے اس کو گوارا نہیں کرسکتی چہ جائیکہ حضرت حق جل شانہ۔ اب اس پر بطور تفریع کے کہتا ہوں کہ اگر بقول آپ کے آپ کی محرومی کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کی وجہ اب سمجھ لیجئے کہ آپ کی یہ شان طلب ہے! پس اگر یہ ہے تو اللہ کی امان، اصلاح کیجیے اور عنایتیں دیکھیے۔

آخر خط میں جو یہاں تشریف لانے کے متعلق مشورہ طلب کیا ہے سو حضرت اس کا فیصلہ میں نہیں کر سکتا بلکہ آپ خود کر سکتے ہیں کیوں کہ شرط نفع مناسبت اور کمال حسن ظن بحیث لا یشرک فیہ احداً ہے سو اس کا اندازہ ظاہر ہے کہ میں نہیں کرسکتا پھر جو امر مبنی ہے اس پر یعنی تعین مطلب اس کا فیصلہ میں کیسے کرسکتا ہوں؟

(۱۰۴۴) ایک صاحب نے عاجزی ولجاجت سے معافی چاہی اس پر تحریر فرمایا کہ میں مسلمانوں کا ایک ادنیٰ خادم ہوں، خود ہزاروں تقصیرات میں ملوث ہوں نہ کہ دوسرا میرا قصور وار رہا ہو اور میں معاف کروں۔ اگر بفرض محال آپ کے خیال میں کوئی بات ایسی ہو تو میں نے معاف کیا۔ مگر مولانا موقع پر معاملہ کی بات تو کہی جاتی ہے خواہ خوشامد سے یا غصہ سے۔

(۱۰۵۳) فرمایا کہ شیخ کے قلب کو ہرگز مکدر نہ کرے اگر اس کو چھوڑنا ہی ہو تو بلا اطلاع کے چھوڑ دے ورنہ دنیاوی زندگی اس کی تلخ ہو جائے گی۔ تادم نزع اس کو چین نصیب نہ ہوگا جس کو یقین نہ ہو وہ آزما کر دیکھ لے اور ایک طرح کا دین کا بھی نقصان ہوسکتا ہے وہ یہ ہے کہ ذوق وشوق جاتا رہتا ہے، اگر ہمت کرے اور طبیعت پر جبر کرے تو دینی اعمال میں کچھ فرق نہیں آتا لیکن وہ جو ایک قسم کی توفیق وتائید تھی وہ جاتی

رہتی ہے اگر ہمت سے کام لے تو اب بھی قادر ہوسکتا ہے اور اگر ہمت نہ کی تو دینی اعمال کی بھی توفیق نہ رہے گی۔اس اعتبار سے شیخ کو مکدر کرنے میں دینی نقصان بواسطہ بھی ہوسکتا ہے گو بلاواسطہ دینی نقصان نہیں ہوتا۔

(۱۰۵۴) ایک صاحب نے لکھا کہ مناجات مقبول کی روزانہ ایک منزل پڑھنے کی اجازت چاہتا ہوں تحریر فرمایا کہ اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اجازت کے بعد کسی کی اجازت کی حاجت نہیں۔

(۱۰۵۶) فرمایا کہ طالبان حق تعالیٰ کے لیے عملیات کی طرف رجوع کرنا مناسب نہیں البتہ دعا کرنا سب حاجاتِ مشروعہ کے لیے مسنون اور نافع ہے۔

(۱۰۵۹) ایک صاحب نے لکھا کہ اس غلام کے عیوب سے مطلع فرمایا جائے تحریر فرمایا کہ کوئی بات معلوم ہوگی کہہ دوں گا۔باقی ایسے شخص کو خود حق تعالیٰ اس کے عیوب پر مطلع فرمادیتے ہیں۔

(۱۰۶۷) فرمایا کہ بعض امراض متعدی ہوتے ہیں لیکن اس طرح نہیں کہ ان کا تعدیہ ضروری اور لازم ہو کہ تخلف ہی نہ ہو، بلکہ مثل دیگر اسباب مظنونہ کے اگر حق تعالیٰ کو منظور ہو تو تعدیہ ہوگا۔

(۱۰۹۸) فرمایا کہ آدمی گناہ کرے اور اپنے کو گنہ گار سمجھے یہ اچھا ہے اس سے کہ گناہ کو رنگ عبادت میں ظاہر کردے؛ یہ بہت ہی بُرا ہے، گناہ کو گناہ تو سمجھو۔

(۱۰۹۹) فرمایا کہ یہ ممکن ہے کہ ایک دن بیٹھ کر کچھ دیر تک ذکر کرلو مگر دوام ذکر بغیر اصلاح کے نصیب نہیں ہوتا اور یکسوئی اور ہر وقت کی توجہ جو کہ شرط نورانیت ہے بغیر اصلاح کے نہیں ہوتی۔کیوں کہ اس کی طرف توجہ خدا تعالیٰ کی توجہ سے ہوتی ہے یعنی وہب سے جو کہ خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے ورنہ توفیق بھی نہیں ہوتی۔اس کی حقیقت اہل دل خوب سمجھتے ہیں۔عوارف شیخ شہاب الدین سہروردی کی کتاب ہے اس میں ایک بزرگ کی حکایت لکھی ہے کہ ایک دن وہ ذکر کرنا چاہتے تھے مگر زبان نہیں اٹھتی تھی، ارادہ بھی تھا، شعور بھی تھا مگر زبان نہیں چلتی۔بڑے پریشان ہوئے، گریہ وزاری کے ساتھ التجا کی کہ یا اللہ اگر قصور ہوا ہو مطلع فرمایئے تاکہ توبہ استغفار سے تدارک کروں، الہام ہوا کہ فلاں وقت گستاخی سے ایک برا کلمہ کہا تھا آج اس کا خمیازہ بھگت رہے ہو۔بہت روئے پیٹے، گریہ وزاری کی، تب زبان چلی۔

(۱۱۰۰) فرمایا کہ اگر ذکر اللہ کو اپنا اصلی کام سمجھ لو تو جو کام اس میں مخل ہوگا اس سے جی گھبرائے گا اور معاصی سب اس میں مخل ہیں اس لیے ان سب سے نفرت ہوجائے گی پھر رفتہ رفتہ فضول مباحات سے بھی نفرت ہونے لگے گی۔

(۱۱۰۱) فرمایا کہ تجربہ ہے کہ تسبیح ہاتھ میں رکھنے سے خدا یاد آتا ہے اسی لیے صوفیہ نے اس کا نام

مذکرہ رکھا ہے اگر یہ کہو کہ تسبیح ہاتھ میں رکھنے سے لوگ ہنسیں گے تو جواب یہ ہے کہ لوگ چاہے ہنسیں لیکن تم نہ روؤ گے۔ اب لوگ تم پر ہنسیں گے اور کل قیامت میں تم ان پر ہنسو گے پس ان کو اب ہنسنے دو، اگر تم کو کہیں سے ہزار روپے ملتے ہوں مگر ان کے لینے میں لوگ ہنستے ہوں تو انصاف سے کہو کہ وہاں سے روپے لیتے ہو یا ہنسی کے خیال سے چھوڑ دیتے ہو، یقیناً لے لیتے ہو اور ان کی ہنسی کی کوئی پرواہ نہیں کرتے آخر کیا وجہ ہے کہ وہاں تو ہنسی کی پرواہ ہے اور یہاں نہیں؟ بات یہ ہے کہ اس کو نفع کی چیز سمجھتے ہو اور نفع کی چیز میں ہنسی کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ پھر کیا یاد خدا نافع نہیں ہے اگر نافع ہے تو اس کی کیا وجہ کہ روپیہ کے لینے میں ہنسی مانع نہیں ہے اور ذکر اللہ میں مانع ہے اور یہ ہنسی بھی جب ہی تک ہے کہ پہلے پہل کام کر رہے ہو پھر چند روز کے بعد کوئی نہیں ہنستا، بنظر غائر دیکھیے تو اصل میں یہ ہنسی غفلت پر ہوتی ہے یعنی پہلے جو تم کو غفلت تھی وہی سبب اس وقت ہنسنے کا ہے چناں چہ جو شخص پہلے سے غفلت میں نہ ہو بلکہ ہمیشہ سے ذاکر ہو اس پر کوئی نہیں ہنستا تو خدا کے بندے جس بات پر ہنسی ہوئی تھی تم اب پھر اسی میں رہنا چاہتے ہو، تسبیح ہاتھ میں لو چند روز کے بعد کوئی نہیں ہنسے گا بلکہ جب یہ معلوم ہو جائے گا کہ اب اس کی غفلت جاتی رہی تو ہنسنا کہاں اب تو اس کے پاؤں چومیں گے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں کفار اسلام پر ہنستے تھے اور قرآن پر ہنستے تھے اتَّخَذُوْهَا هُزُواً وَّلَعِباً اس کو کھیل کود بنا رکھا تھا تو کیا ان کے ہنسنے سے صحابہ نے اسلام چھوڑ دیا تھا۔

(۱۱۰۴) فرمایا کہ خدا اگر کسی کو بے فکری سے کھانے کو دے تو یہ نعمت ہے لیکن اس میں ایک مضرت بھی ہے کہ کبر، ناز و عجب، غرور، غفلت، غریبوں کی تحقیر، کمزوروں پر ظلم اس سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس کا علاج اور تدارک یہ ہے کہ تدبر اور تفکر سے کام لے اور سوچے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اپنا فضل فرمایا ہے ورنہ میں بالکل نااہل تھا مجھ میں کوئی کمال بھی نہ تھا۔ بلکہ اپنے گناہوں پر نظر کر کے سوچے کہ میں تو سزا کا مستحق تھا اور اگر بالفرض مجھ میں کوئی کمال بھی تھا تو مجھ سے بہت زیادہ کمال رکھنے والے پریشان حال پھرتے ہیں پھر اس کا فضل ہی تو ہے کہ اس نے مجھے ان نعمتوں سے سرفراز فرمایا اب میں ناز کس بات پر کروں ؎

اگر روزی بدانش بر فزودے زناداں تنگ روزی تر نبودے

یعنی رزق کا مدار عقل پر نہیں۔ لیاقت سے رزق کا ملنا قارون کا عقیدہ ہے۔

(جاری۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔)

جناب قطب الدین مُلاّ صاحب

نظامِ نوافل کو بھی رواج دیجئے۔

عبادات کی اہمیت

اسلام میں عقائد کے بعد سب سے اہم شعبہ عبادات کا ہے۔ ''جس طرح امہات العقائد کو دوسرے عقائد کے لحاظ سے خاص اہمیت حاصل، اسی طرح شریعت کے دوسرے شعبوں کے مقابلے میں ''عبادات'' کو خصوصی اہمیت حاصل ہے، کیونکہ عبد و معبود (بندے اور خدا) کا تعلق دوسری سب چیزوں کی بہ نسبت عبادات سے زیادہ ظاہر ہوتا ہے۔ اور زندگی کے دوسرے شعبوں کی اصلاح و درستی میں بھی عبادات کو خاص دخل ہے'' (دین و شریعت ص ۱۳۱)

عبادات سے کیا مراد ہے؟

''عبادات سے مراد خاص وہ اعمال ہیں؛ جو بندہ، اللہ کی عظمت و کبریائی اور اس کے سامنے اپنی عاجزی، بے چارگی، بندگی اور سرافگندگی ظاہر کرنے کے لئے کرتا ہے، اور اس کا مقصد صرف اللہ کی رضا اور اس کا تقرب حاصل کرنا ہوتا ہے۔ عربی میں عبادات کو ''قربات'' بھی کہتے ہیں۔ جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ و صدقات، ذکر، تلاوت اور قربانی جیسے تعبدی اعمال جو صرف اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اور اپنے روحانی پہلو کی درستی اور ترقی کے لئے کیئے جاتے ہیں، اور وہ صرف عبد و معبود کے تعلق کو ظاہر کرتے ہیں''
(دین و شریعت ص ۱۳۱۔۱۳۲)

تقرّب الی اللہ کی دو بنیادی چیزیں

عبد کا اپنے معبود کے ساتھ تعلق استوار ہو جائے، اور اسے قربتِ خداوندی حاصل ہو، اس کے لئے دو بنیادی چیزیں ''ایمان'' اور ''اعمال صالحہ'' ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۡ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ۝۳۷ (سورۃ سبا)

اور تمہارے اموال و اولاد ایسی چیزیں نہیں، جو تم کو ہمارا مقرب بنا دیں، ہاں مگر جو ایمان لاوے اور اچھے کام کرے (البتہ یہ دونوں چیزیں سبب قرب ہیں) سو ایسے لوگوں کے لئے انکے نیک اعمال کے لئے دوگنا صلہ ہے، اور وہ بہشت کے بالاخانوں میں چین سے ہوں گے۔ (شریعت اور طریقت ص ۲۴۵)

قربِ فرائض و قربِ نوافل

قرب خداوندی کو حاصل کرنے کے لئے یہ دو بنیادی چیزیں ہوئیں۔ ایمان اور اعمال صالحہ۔ پھر ایمان کیسا ہو؟ اور کس درجہ کا ایمان مطلوب ہے؟ اس کی تفصیلات بھی دین میں بتلائی گئی ہیں اور اعمال صالحہ میں فرائض و نوافل کا ایک منظم مبسوط نظام بھی اسلام میں موجود ہے۔ اور اس کا مقصد اور مقصود یہی ہے کہ بندے کا اپنے رب سے تعلق مضبوط ہو جائے اور اسے رضائے الٰہی نصیب ہو۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ:

''میرا بندہ میرا کسی ایسے ذریعہ سے قرب حاصل نہیں کرتا جو میرے نزدیک ادائے فرض سے زیادہ محبوب ہو۔''

اس لئے حدیث ہی کی موافقت میں صوفیہ اس کو ''قرب فرائض'' کہتے ہیں (شریعت اور طریقت ص ۲۵۱۔۲۵۲)

اسی حدیث میں ہے کہ:

''اور میرا بندہ برابر نوافل کے ذریعہ مجھ سے قرب حاصل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کو محبوب بنا لیتا ہوں۔ جب میں اس کو محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کی شنوائی ہو جاتا ہوں جس سے وہ سُنتا ہے، اور اس کی بینائی ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ کسی چیز کو لیتا ہے، اور اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس

سے وہ چلتا ہے۔

مطلب یہ کہ اکثر اس کے جوارح سے کوئی کام میری رضا کے خلاف نہیں ہوتا، پس میں ہی گویا اسکے اعضا بن جاتا ہوں ۔۔۔۔۔۔ چونکہ حدیث میں اس مقام کا حصول تکثیر نوافل پر وارد ہے، اور مجاہدہ و ریاضت میں تکثیر نوافل لازم ہے۔ خواہ نماز ہو یا روزہ، کثرتِ مراقبات ہو یا تقلیل شہوات۔ اس لئے صوفیہ حدیث کی پیروی میں اس مقام کو "قرب نوافل" کہتے ہیں۔ (شریعت اور طریقت ص ۲۵۰۔۲۵۱)

سنن ونوافل کے فضائل

اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعبدی اعمال میں اعمال نافلہ کی بھی بڑی اہمیت کے ساتھ فضیلتیں بیان فرمائی ہیں۔

رات دن کی بارہ رکعتیں

"جو شخص دن رات میں بارہ رکعتیں (علاوہ فرض نمازوں کے) پڑھے اس کے لئے جنت میں ایک گھر تیار کیا جائے گا (ان بارہ کی تفصیل یہ ہے) ۴ ظہر سے پہلے اور ۲ ظہر کے بعد اور ۲ مغرب کے بعد اور ۲ عشاء کے بعد اور ۲ فجر سے پہلے۔ جامع ترمذی"۔ (معارف الحدیث سوم، ص ۳۲۰)

فجر کی سنتیں:

"فجر کی دو رکعت سنت دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔ صحیح مسلم"۔ (ایضاً، ص ۳۲۲)

ظہر کی سنتیں:

"ظہر سے پہلے کی چار رکعتیں جن کے درمیان سلام نہ پھیرا جائے یعنی چار مسلسل پڑھی جائیں ان کے لئے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ"۔ (ایضاً، ص ۳۲۴)

"جو کوئی ظہر سے پہلے چار رکعتیں اور ظہر کے بعد چار رکعتیں برابر پڑھا کرے، اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کی آگ پر حرام کر دیگا۔ سنن ابن ماجہ"۔ (ایضاً، ص ۳۲۴-۳۲۵)

عصر کی سنتیں:

"اللہ کی رحمت اس بندے پر جو پڑھے عصر سے پہلے چار رکعتیں۔ جامع ترمذی، سنن ابی داؤد۔" (ایضاً ص ۳۲۵)

مغرب کی سنتیں:

’’جو بندہ مغرب کے بعد چھ رکعت نماز پڑھے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اگر چہ وہ کثرت میں سمندر کے کف کے برابر ہوں۔ معجم طبرانی‘‘۔ (ایضاً ص ۳۲۶)

رات کے مخصوص نوافل:

’’فرضوں کے آگے پیچھے والے سنن ونوافل کے علاوہ جن نوافل کی مستقل حیثیت ہے، مثلاً دن میں چاشت اور رات میں تہجد، یہ دراصل تقرب الی اللہ کے خاص طالبین کے لئے ترقی اور اصلاح کا مخصوص نصاب ہے۔‘‘ (ایضاً ص ۳۲۰)

اور رات دن کے جو مخصوص نوافل ہیں ان کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا——

تہجد:

تم ’’تہجد‘‘ کو لازم پکڑ لو کیونکہ وہ تم سے پہلے اللہ کے صالح بندوں کا دستور العمل رہا ہے اور تم کو تمہارے رب سے وہ قریب کرنے والا ہے اور تمہارے گناہوں کے لئے کفارہ بننے والا ہے اور تم کو گناہوں سے روکنے والا ہے۔ ترمذی‘‘۔ (دین وشریعت، ص ۱۴۹)

اشراق:

’’اے ابنِ آدم تو چار رکعت (نفل) پڑھ لے میرے لئے (یعنی اخلاص سے) اوّل دن میں، تو میں تجھے (تیرے کاموں میں) کفایت کرونگا آخر دن تک۔ ترمذی‘‘۔ (بہشتی زیور دوم ص ۷۵)

چاشت:

’’جو بندہ چاشت کے وقت کی دو رکعتیں برابر ادا کیا کرے اس کے گناہ بخش دئے جائیں گے اگر چہ سمندر کے پھین برابر کیوں نہ ہوں‘‘۔ (دین وشریعت، ص ۱۵۴)—— ایک حدیث میں ہے جو چاشت کی بارہ رکعات نماز پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک محل سونے کا جنت میں تیار فرمائیگا۔ جامع صغیر۔‘‘ (بہشتی زیور دوم، ص ۷۳)

اوابین:

''جس نے مغرب اور عشاء کے درمیان چھ رکعت پڑھیں اس طرح کہ ان کے درمیان کوئی بری بات نہ کرے تو وہ بارہ برس کی (نفل) عبادت کے برابر (ثواب میں) کی جائیں گی۔'' جامع صغیر'' ـــــ جو مغرب اور عشاء کے درمیان بیس رکعت (نفل) پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک مکان جنت میں بنائیں گے۔'' رواہ الامام السیوطی''۔ (بہشتی زیور دوم، ص ۴۷)

دیگر نوافل:

''فرض نماز سے پہلے اور بعد پڑھے جانے والے نوافل اور اسی طرح تہجد اور اشراق و چاشت یہ سب وہ ہیں، جن کے اوقات متعین ہیں۔ لیکن کچھ نوافل وہ ہیں جن کا تعلق خاص اوقات سے نہیں بلکہ خاص حالات سے ہے جیسے دوگانۂ وضو (جس کو عرفِ عام میں تحیۃ الوضو کہتے ہیں) یا تحیۃ المسجد۔ اسی طرح صلوٰۃِ حاجت، صلوٰۃِ توبہ اور نماز استخارہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ان میں سے کسی کا بھی کوئی وقت متعین نہیں ہے بلکہ جس وقت بھی وہ حالات یا ضرورت پیش آئے جن سے ان نوافل کا تعلق ہے، یہ اسی وقت پڑھے جاتے ہیں''۔ (معارف الحدیث سوم، ص ۳۶۰)

تحیۃ الوضو:

''جس نے مسنون طریقہ پر وضو کیا پھر دو رکعت نماز (دل کی پوری توجہ کے ساتھ) ایسی پڑھی جو حدیثِ نفس سے خالی رہی (یعنی دل میں ادھر اُدھر کی باتیں نہیں سوچیں) تو اس کے پچھلے سارے گناہ معاف ہو گئے۔ صحیح بخاری، مسلم''۔ (معارف الحدیث صوم، ص ۶۹)

تحیۃ المسجد:

''جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو اس کو چاہئے کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھے۔ صحیح بخاری، مسلم''۔ (ایضاً ص ۱۷۸)

ظاہر ہے کہ ادائے فرض اور ادائے نوافل اور اتباعِ سنت کے ذریعہ قرب کے اعلیٰ مقامات تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ شیخ نصیر آبادیؒ فرماتے ہیں ـــــ

> ''اتباعِ سنت سے معرفت حاصل ہوتی ہے اور ادائے فرض سے قربت ملتی ہے اور نوافل ہمیشہ ادا کرنے سے محبت کا حصول ہوتا ہے۔'' (عوارف المعارف، ص ۶۸۲)

نوافل کے بارے میں یہ ساری ترغیبیں اسی لئے دی گئی تھیں کہ بندوں میں ایک ایسا جذبہ پیدا ہوجائے جو ''ضابطہ'' کے حدود سے آگے بڑھ کر ''رابطہ'' کے حدود میں داخل ہوجائے —— لیکن!

افضل وادنیٰ کی بحث:

حال یہ ہے کہ اسلام کا یہ تعبدی نظام ہی خطرہ میں آ گیا ہے۔ جوں توں کر کے صرف فرائض کو ادا کیا جاتا ہے اور وہ بھی اس طرح کہ سب سے آخر میں آنا ہوتا ہے اور فرض کا سلام پھیرتے ہی سب سے پہلے نکل جانا ہوتا ہے۔ اور وہ حضرات جو دیندار سمجھے جاتے ہیں ان کے یہاں بھی ''نفلی اعمال'' کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ایک طبقے کے سامنے ذیل کی روایات ہیں ——

۱- ''علم کا وہ باب جس کو کوئی آدمی سیکھے ہزار رکعت نفل سے بہتر ہے۔'' (حیات الصحابہ سوم، ص ۱۷۷)

۲- ''جو شخص علم حاصل کرنے کے لئے نکلا وہ واپس ہونے تک اللہ کی راہ میں ہے۔'' (ایضاً ص ۲۸۳)

۳- ''علم کا سیکھنا اللہ پاک سے ڈرنا ہے اور اس کی طلب عبادت ہے اور اس کا مذاکرہ تسبیح ہے اور اس سے بحث اور پوچھ گچھ کرنا جہاد ہے اور جو نہیں جانتا اسے یہ سکھانا صدقہ ہے۔۔۔۔۔۔ علم میں فکر کرنا اور مطالعہ کرنا روزہ رکھنے کے برابر ہے اور اس کا پڑھنا رات کی عبادت (تہجد) کے برابر ہے۔۔۔۔۔۔ (ایضاً ص ۱۷۴-۱۷۵)

ان روایات کے استحضار سے یہ بات کچھ لوگوں کے ذہن میں آتی ہے کہ سنن ونوافل سے کہیں زیادہ افضل، علم دین کی تحصیل ہے اور ہم اس اہم کام میں لگے ہوئے ہیں اس لئے سنن ونوافل کا ثواب مل ہی جاتا ہے۔ اور اس طرح نظامِ نوافل سے توجہ ہٹ جاتی ہے۔

اور کچھ اور لوگ یہ جانتے ہیں کہ ——

۱- بلغوا عنی ولو آیة (اگر تمہیں ایک بات بھی معلوم ہے تو دوسروں تک پہنچاؤ)۔

۲- ''بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کی ہے لہٰذا تم بھی تبلیغ کرو''۔ (حیات الصحابہ سوم ص ۲۶۲) یعنی تبلیغ والا کام اتنا اہم ہے کہ یہ نبیوں والا کام ہے۔

۳- امام غزالیؒ نے فرمایا ہے کہ عبادت قطرہ ہے اور دعوت سمندر ہے۔

ان امور کے پیشِ نظر ہونے سے یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ جو دعوت کا کام ہم کر رہے ہیں وہ تمام چیزوں سے اور عبادات سے افضل ہے۔ گویا مقصدِ حیات، دعوت ہے۔ مقصدِ حیات کو چھوڑ کر نوافل میں لگنا اور ذکر کے ذریعہ مسجد کے کونے سجانا نادانی ہے۔ اسی طرح نظامِ نوافل سے یہاں بھی صرفِ نظر ہو جاتا ہے۔

اور کچھ اور لوگ کہتے ہیں کہ تمام خرابیوں کی جڑ دلوں کی غفلت ہے۔ اور اس غفلت کو دور کئے بغیر اچھائیوں کو لا نہیں سکتے اور دلوں کی غفلت کو دور کرنے والی اصل چیز ''اللہ کا ذکر'' ہے۔ اس طرح یہاں بھی اعمالِ نافلہ سے بے پرواہی ہو سکتی ہے۔

اس طرح افضل وغیر افضل اور اعلیٰ وادنیٰ کی بحث میں پڑ کر وہ اعمالِ نافلہ جن کی فضیلت کسی اور نے نہیں بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہے، چھوڑ دئے جاتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ کوئی افضل واعلیٰ، غیر افضل وادنیٰ عمل کا ناسخ نہیں ہے۔ بلکہ صرف اتنی بات ہے کہ دونوں طرح کے اعمال ایک ساتھ سامنے آجائیں تو افضل واعلیٰ اعمال قابلِ ترجیح بن جائیں گے اور غیر افضل وادنیٰ اعمال موخر ہو جائیں گے۔ مثلاً فجر کی نماز کے موقع پر اتنا کم وقت رہ گیا ہے کہ صرف فرض پڑھی جا سکتی ہے تو سنت نماز کو ترک نہیں کیا جائے گا بلکہ موخر کیا جائے گا۔ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ ''جس نے فجر کی سنتیں نہ پڑھی ہوں اس کو چاہئے کہ وہ سورج نکلنے کے بعد ان کو پڑھے۔'' جامع ترمذی''۔ (معارف الحدیث سوم، ص ۲۳۲) اسی طرح حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ کا معمول تھا کہ ـــــ

> ''ظہر سے پہلے چار رکعتیں جب آپؐ نے نہیں پڑھی ہوتی تھیں تو آپؐ ان کو ظہر سے فارغ ہونے کے بعد پڑھتے تھے۔ جامع ترمذی۔ ابن ماجہ کی روایت میں یہ تصریح ہے کہ ایسی صورت میں ظہر سے پہلے والی چار رکعتیں آپؐ بعد والی دو رکعتوں کے بعد پڑھتے تھے۔'' (ایضاً ص ۳۲۴)

شیطان نے غیر محسوس طریقہ پر یہ بات ذہن میں ڈال دی ہے کہ افضل واعلیٰ اعمال قابلِ عمل ہیں اور غیر افضل وادنیٰ اعمال قابلِ ترک ہیں۔ اور اس مشورہ کو سہل انگار، سست وکاہل طبائع بہت جلد قبول کر لیتی ہیں۔ اور اپنے اس غیر مستحسن عمل کے جواز کے لئے افضل وغیر افضل اور اعلیٰ وادنیٰ کا فلسفہ گڑھ لیتی ہیں۔ اور یہ نہیں سوچا جاتا کہ جس طرح افضل واعلیٰ اعمال کا تعلق دین سے ہے اسی طرح غیر افضل وادنیٰ اعمال کا تعلق بھی دین سے ہے۔ اس لئے کہ یہ بھی اعمال دینیہ ہی ہیں۔ اور یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ دونوں طرح کے

اعمال کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک نسبت حاصل ہے۔ بحث میں پڑ جانا یہ ''عقلمندوں'' کا کام ہے اور جو عاشق ہوتے ہیں، انہیں اس بات سے کوئی کام نہیں کہ یہ افضل یا غیر افضل اور اعلیٰ یا ادنیٰ ہیں بس وہ یہ دیکھتے ہیں کہ یہ اعمال میرے محبوب کے اعمال ہیں اور ہمیں عمل کرنا ہے۔ اس بارے میں حضرت جی مولانا محمد انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول، قولِ فیصل کی حیثیت رکھتا ہے اور دونوں طرح کے اعمال کے بارے میں ایک اعتدال وتوازن قائم کرتا ہے۔ فرماتے ہیں ــــــ

''احکاماتِ الٰہیہ میں ادنیٰ و اولیٰ ہونا یہ ایک دوسرے کے اعتبار سے ہے، نفسِ عمل کے اعتبار سے کوئی ادنیٰ نہیں۔''

اسلاف کا وطیرہ:

ہمارے وہ اسلاف جن کا تعلق مدرسوں، خانقاہوں اور دینی محنت وجد وجہد سے تھا انھوں نے اپنی ان ساری مصروفیتوں کے باوجود ''عباداتِ نافلہ'' کے نظام کو اتنی قوت واہمیت کے ساتھ اپنایا تھا اور اس کی اتنی قدردانی کی تھی کہ ان کا طرزِ عمل آج بھی دلوں میں حرارت پیدا کرتا ہے۔ تمام بزرگوں کے واقعات کو تحریر کر دیا جائے تو مستقل کتاب بن جائے۔ بطور نمونہ صرف حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے معمولات کا ذکر یہاں کیا جا رہا ہے۔ حضرت کا مدرسہ سے بھی تعلق تھا اور خانقاہ سے بھی اور دینی محنت کے امام حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے تو وہ شیخ بھی تھے۔ ان کے بارے میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں ــــــ

> ''کتنے اللہ کے بندے ہیں کہ جن کے لئے انہی اوقات میں سب چیزوں کی گنجائش نکل آتی ہے۔ میں نے اپنے آقا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کو متعدد رمضانوں میں دیکھا ہے کہ باوجود ضعف اور پیرانہ سالی کے مغرب کے بعد نوافل میں سوا پارہ پڑھنا یا سنانا اور اس کے بعد آدھ گھنٹہ کھانا وغیرہ ضروریات کے بعد ہندوستان کے قیام میں تقریباً دوسوا دو گھنٹے تراویح میں خرچ ہوتے تھے اور مدینہ پاک کے قیام میں تقریباً تین گھنٹے میں عشاء اور تراویح سے فراغت ہوتی۔ اس کے بعد آپ حسبِ اختلافِ موسم دو تین گھنٹے آرام فرمانے کے بعد تہجد میں تلاوت فرماتے اور صبح سے نصف گھنٹہ قبل سحر تناول فرماتے۔ اس کے بعد سے صبح کی نماز تک کبھی حفظ تلاوت فرماتے اور کبھی اوراد و وظائف میں مشغول رہتے۔ اسفار یعنی چاندنی میں صبح کی نماز

پڑھ کر اشراق تک مراقب رہتے اور اشراق کے بعد تقریباً ایک گھنٹہ آرام فرماتے۔ اس کے بعد سے تقریباً بارہ بجے تک اور گرمیوں میں ایک بجے تک بذل المجہود تحریر فرماتے اور ڈاک وغیرہ ملاحظہ فرما کر جواب لکھاتے۔ اس کے بعد ظہر کی نماز تک آرام فرماتے اور ظہر سے عصر تک تلاوت فرماتے، عصر سے مغرب تک تسبیح میں مشغول رہتے اور حاضرین سے بات چیت بھی فرماتے۔ بذل المجہود ختم ہو جانے کے بعد صبح کا کچھ حصہ تلاوت میں اور کچھ کتب بینی میں۔ بذل المجہود اور وفاء الوفاء زیادہ تر اسی وقت زیر نظر رہتی تھی۔ یہ اس پر تھا کہ رمضان المبارک میں معمولات میں کوئی خاص تغیر نہ تھا کہ نوافل کا یہ معمول دائمی تھا۔ اور نوافل مذکورہ کا تمام سال بھی اہتمام رہتا تھا۔" (فضائل رمضان ص ۷)

نظام نوافل کو رواج دینے کی ضرورت ہے:

وہ حضرات جو دیندار سمجھے جاتے ہیں اور جنھیں دین سے ایک تعلق ہے، ان کی ذمہ داری ہے کہ نظامِ نوافل کو پھر سے رواج دیں۔ اس بارے میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ بڑے درد کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں کہ: "اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں پر یہ فضل فرمایا ہے کہ اس زمانہ میں ان کو دین سے ایک درجہ کا تعلق بخشا ہے، انھیں چاہئے کہ وہ اس نعمتِ عظمیٰ (نوافل) کی قدر پہچانیں اور اس کا شکر ادا کریں اور اس کا خاص شکر یہی ہے کہ اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں اور کم از کم خاص خاص اوقات کے یہ نوافل پڑھ لیا کریں۔ اس میں وقت بہت کم صرف ہوتا ہے اور ثواب بہت زیادہ بتلایا گیا ہے۔" (دین و شریعت ص ۱۴۸)

☆☆☆

الفرقان کی ڈاک

(۱)

محترمی ومکرمی حضرت مولانا خلیل الرحمٰن سجاد ندوی زادمجدہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالی آپ کوخوش وخرم رکھے۔ ہر قسم کے ضیق پریشانی سے محفوظ رکھے۔آپ کی زبان وقلم کی تاثیر بیش ازبیش کرے۔دین کی خدمت اخلاص سے کرنے کی توفیق عطافرماوے۔راہ اعتدال پر قائم ودائم رکھے۔عزیزہ بیٹی کوصحت کاملہ عاجلہ عطا فرمائے۔دل سے دعائیں نکل رہی ہیں اللہ قبول فرمائے آمین۔

اکتوبر(۲۰۱۱ء) کا شمارہ الفرقان بہت ہی دیر سے ملا۔۲۳/اکتوبر کودوستوں نے بر سبیل تذکرہ مجھ سے اس کے مضامین کے بارے میں پوچھا، چوں کہ ان کومل چکا تھااوروہ پڑھ چکے تھےاس لئے اشتیاق اور بڑھ گیا۔جب ۲۳/اکتوبر کوملاتو واقعی بہت خوشی ہوئی ،الفرقان کی ایک روایت وتاریخ وتاثیر ہے، میں تواس کواسلام اوردین کاReaders Digest کہتاہوں جو ہمیشہ تازہ رہتاہے،بیس سال پرانا شمارہ بھی نفع سے خالی نہیں ہوتا۔یہ خط تو آپ کودرخواستوں سے بھرا ہوا ملے گا۔

اکتوبر۲۰۱۱ کا شمارہ گلہائے رنگارنگ ہےاوراسے ایسا ہی ہونا چاہئے۔عقیدت میں [۱] اسے

---

۱ یہ تعبیر اصلاح طلب ہے۔مسئلہ صرف کسی شخصیت سے عقیدت کا ہرگز نہیں ہے،مسئلہ یہ ہے کہ اس زمانے میں جودینی فکر ہمارے معتبر حلقوں اوران کے نمائندوں پر بھی چھاتی چلی جارہی ہے اس میں اپنے تزکیہ واصلاح اورعبدیت وانابت والے مزاج کو اپنانے اوراس کو پختہ سے پختہ تر بنانے کا مسئلہ بالکل نظرانداز ہوتا جارہا ہے —— بلکہ عمومی اصلاح کی جومحنتیں اس ذوق کو عام کرنے کا تشخص رکھتی تھیں وہ بھی مادیت سے مغلوب تحریکوں کی نقل کرتی ہوئی اورغیر مقلدانہ ذہنیت سے شعوری یا غیر شعوری طور پر متاثر ہوتی ہوئی نظر آرہی ہیں،ایسی صورتحال میں الفرقان اپنا فرض سمجھتا ہے کہ ہر شمارے میں کم ازکم ایک مضمون ایسا ضرور آئے جو اِس طرف توجہ دلائے ،اوردین کے اس پہلو کی طرف متوجہ کرے جو پورے دین وشریعت کا اصل مقصود ہے —— اوراگر اس دور میں کوئی بندۂ خدا، اللہ کی خاص توفیق سے ،اِس طرف خاص طور سے متوجہ کررہا ہے تو الفرقان آگے بڑھ کر اس کی آواز کو عام کرنے کے لئے اپنی بساط بھر کوشش کرنا اپنے لئے باعث سعادت سمجھتا ہے۔اس میں نہ کوئی جدّت ہے نہ عیب اور یہ الفرقان کی وہ روایت ہے جو اس کے بانی کے دور سے چلی آرہی ہے اس نے ہمیشہ حق کی پکار کا یہ کہتے ہوئے استقبال کیا کہ:

مؤذن مرحبا بروقت بولا تیری آواز مکّے اورمدینے

آپ کسی ایک شخصیت کے مضامین سے اتنا نہ بھر دیں کیونکہ اس پُر اثر شخصیت کے مضامین تو اور جگہوں سے بھی ملتے ہیں پھر کتابی شکلوں میں بھی آتے ہیں۔اس لئے اس کا دھیان رکھنے کی درخواست ہے۔

ماشاء اللہ حامد محمود کون ہیں؟ مزہ آ گیا کہیں سجاد ندوی کا تخلص تو نہیں [۱]۔تعارف کروائیے، ملنے کو جی چاہتا ہے [۲] اتنی شخصیات کا انھوں نے تذکرہ کر دیا کہ ہم ان کو جانتے بھی نہیں، عمر مختارؒ، مہدی سوڈانیؒ، عماد الدین زنگیؒ، جلال الدین خوارزم شاہؒ

موت اس کی ہے کرے جس کو زمانہ یاد
یوں تو آئے ہیں یہاں سب ہی مرنے کے لئے

کاش آپ کچھ کتابوں اور تذکروں کے نام بھی لکھے ہوتے حاشیہ پر کہ اس کو پڑھ کر ہم معلوم کر سکتے۔آئندہ شماروں میں ان شخصیات کے تذکرے معہد الامام ولی اللہ کے طلبہ سے لکھوا دیں۔ [۳]

اور حامد محمود اخوان المسلمون والے حسن البناءؒ کو تو شاید بالکل بھول گئے ان کا Contribution سلاڈین سے ملتی جلتی شخصیت ۔۔۔۔۔۔ سے کیا کچھ کم ہے؟ شیخ حسن البناءؒ کا تذکرہ بھی الفرقان میں چھاپنے کی درخواست ہے چاہے قسطوں میں ہو [۴]۔آپ کے پاس مولانا شمس الحق ندوی والا تذکرہ ہے یا نہیں؟ [۵] میرے پاس ہے۔

ایک اور درخواست کہ الفرقان کو عالمی بنانے کے لئے اب ضرورت ہے کہ اسے e-paper بنا کر Internet پر لائیں جب ۔۔۔۔۔۔ اور ۔۔۔۔۔۔ e-magazine کی شکل میں اگر عالمی بن سکتے ہیں تو آپ کے چاہنے والے تو بہت ہیں۔تحریک تو کیجئے ضرور کوئی انٹرنیٹ کا Expert لبیک کہے گا اور آگے آئے گا اور فنڈز بھی مہیا ہو جائیں گے۔ [۶] بھائی قطب الدین ملا کے مضامین بھی عالمی طور پر اور آپ کے اداریے نگاہ اولیں بھی عالمی نفع کا سبب بن سکتے ہیں۔

مثبت طور پر (تبلیغی) کام کو سنبھالنے اور اصلاح کے لئے آپ دونوں کا قلم چلنا چاہئے منفی مذاکرہ تو بہت ہوتا ہے ضیق میں اضافہ کا سبب بنتا ہے۔اللہ کام کرنے والوں کی، بڑوں کی، چھوٹوں کی حفاظت بھی

۱۔جی نہیں۔ ۲۔ملاقات ابھی میری بھی نہیں ہے۔اشتیاق مجھ کو بھی ہے۔ ۳۔خدا کرے آپ کی اس فرمائش کی تعمیل ہو سکے۔ ۴۔بلاشبہ حسن البناء ایک عہد ساز شخصیت تھے، الفرقان میں ان کا تذکرہ باعث سعادت بھی ہوگا اور مفید بھی۔ انشاء اللہ آپ کے مشورہ پر عمل درآمد کی جلد ہی کوشش کی جائے گی۔ ۵۔ فی الحال تو ہمارے پاس نہیں ہے۔ ۶۔اس کی ضرورت کا شدید احساس ہے۔ابتدائی تیاری ہو بھی چکی ہے کچھ کسر ہے۔اللہ کرے کہ جلد وہ بھی پوری ہو جائے۔

فرمائے اور رہبری بھی ——— عقلمند کو اشارہ کافی ہے۔ ا؎

ایک درخوست اور، وہ یہ کہ بے چارے کس مپرس اناہزارے کو بھی کچھ گائڈ کیجئے نعرہ تو اس کا بہت اچھا مگر اچھے آدمی انسان وہ لائے گا کہاں سے، آپ کچھ بتائیے کہ اچھا انسان کیسے بنتا ہے۔

قارئین الفرقان کو یہ بھی کبھی بتلایئے گا نگاہ اولیں میں کہ میڈیا اس حامد محمود والے مرد مجاہد کے Character Assasination (کردارکُشی) پر بھی اتر آیا ہے ہم اس سے متاثر نہ ہوں۔۔۔۔۔۔۲؎ ۔الفرقان اکتوبر میں آپ کا حج والا مضمون ۱۳۳۱ھ والا بھی خوب ہے ماشاء اللہ آپ کی عمر سو سے زائد ہے۔ ۳؎

طالب دعا

خالد☆

mkmaniar@gmail.com

(۲)

محترم ومکرم جناب مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الفرقان: دسمبر ۲۰۱۱ء میں آپ نے تبلیغی کام کرنے والوں کے مزاج پر جہل کے جس روز افزوں غلبہ کا ذکر فرمایا ہے وہ واقعۃً اس سطح پر پہنچ گیا ہے کہ علماء کو اس کے بارے میں کھُل کر اور پورے اخلاص اور

ا؎ آپ کی یہ رائے ہمارے لئے بہت اہمیت کی حامل ہے۔صورت حال روز بروز بہت بگڑتی جارہی ہے ——— اِس کام کو صرف ہم لوگوں پر نہیں چھوڑ دینا چاہیئے ۔مل جُل کر اس بارے میں کوشش ہونی چاہیئے ——— خدا کرے کبھی ملاقات ہو تو اطمینان سے مشورہ کیا جائے ،شاید کوئی سبیل اصلاح کی نکلے۔ ۲؎ انشاء اللہ! ۳؎ راقم سطور (مدیر الفرقان) کا حج کے موضوع پر ایک خطاب الفرقان: اکتوبر ۲۰۱۱ء کے شمارے میں شائع کیا گیا تھا، غلطی سے اس کی تاریخ ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ کے بجائے ۱۳۳۱ھ چھپ گئی تھی ،فاضل مکتوب نگار نے اسی غلطی کی طرف توجہ دلائی ہے اور اس سے ایک نیک شگون بھی نکال لی ہے، دونوں عنایتوں پر ان کا بہت بہت شکریہ!

اور آخر میں ان ساری فرمائشوں کے جواب میں یہ شکوہ بھی کہ ؎

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا

☆ فاضل مضمون نگار جناب خالد منیار سورت (گجرات) کے اس مشہور خانوادے کے سینیر ارکان میں ہیں جس کا طویل عرصہ سے دعوت وتبلیغ کے کام اور ہمارے اکابر علماء سے گہرا تعلق ہے۔متعدد اوصاف کے لحاظ سے یہ خاندان امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔اللہ تعالیٰ نظر بد سے بچائے اور نئی نسل کو بھی اپنے اسلاف کا وارث بنائے۔ **مدیر**

حوصلے کے ساتھ اظہار خیال کرنا چاہئے۔۔۔میں خود ایک واقعہ سناتا ہوں جس کا میں خود عینی شاہد ہوں۔

جہاں تک یاد ہے ۸۰-۱۹۸۱ء کا واقعہ ہے، ہمارے علاقے میں حضرت مولانا محمد حنیف صاحب ماٹلی والا، بھروچ (گجرات) تشریف لائے ہوئے تھے، ایک جگہ پر ایک تبلیغی پرانے ساتھی نے کھانے پر مدعو کیا، اس موقع پر انھوں نے یہ کہا کہ وہ چار ماہ کے لئے جماعت میں انگلینڈ جا رہے ہیں، حضرت مولانا سے دعا کی درخواست کی۔حضرت نے پوچھا: تمہارا حج ہوا ہے؟ بھائی! جب آپ انگلینڈ جا سکتے ہو تو اس کا مطلب ہے کہ آپ پر حج فرض ہو گیا ہے۔لہٰذا آپ کو پہلے حج کا فریضہ ادا کر لینا چاہئے! تو وہ صاحب کچھ شرمندہ سے ہوئے اور کہا کہ اس سلسلہ میں آپ کو کل جواب دوں گا، مولانا نے فرمایا: بہت بہتر ہے۔

یہ راقم سطور چونکہ حضرت مولانا کے ساتھ ہی تھا، اس لئے مجھے ان کے جواب کا انتظار رہا، لیکن جب ہفتہ گذر گیا اور ان کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا، تو میں نے اپنے بعض تبلیغی ساتھیوں سے دریافت کیا، انھوں نے بتایا کہ ان صاحب نے ان لوگوں کو یہ بتایا تھا کہ میں بہت غور کر کے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ''اگر میں حج کو جاتا ہوں تو تنہا صرف مجھ اکیلے کی ہدایت کا ذریعہ ہوگا اور اگر اللہ کی راہ میں جاتا ہوں تو ہزاروں لاکھوں کی ہدایت کا ذریعہ بنوں گا! تو مجھے یہ کام زیادہ افضل معلوم ہوتا ہے۔

اس طرح کی ہزاروں باتیں ہیں جو جہالت اور علم واہل علم سے دوری کی وجہ سے اور طاقت کے نشہ میں چور ہونے کی وجہ سے بہت بھیانک شکل اختیار کرتی جا رہی ہیں، اللہ آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ نے اس طرف توجہ دلائی ہے۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اصلاح کی کوئی شکل بنا دے، آمین! والسلام

محمد یعقوب قاسمی
دارالعلوم، سانگلی، مہاراشٹر
نائب صدر رابطۂ مدارس دینیہ کرناٹک، مہاراشٹر و گوا

(۳)

محترم المقام حضرت مولانا سجاد نعمانی صاحب! زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔۔۔۔۔دسمبر کے شمارے میں آپ نے اداریہ میں بہت اہم مسئلہ کی طرف توجہ دلائی ہے۔مجھ سے ایک صاحب نے نفس مسئلہ کے کے بارے میں دریافت کیا، تو مجھے خیال ہوا کہ شاید بہت سے لوگ ایسے ہوں گے جو مسئلہ کی سنگینی کو سمجھ ہی نہ پائیں، اس لئے میں اس عریضہ میں اس مسئلہ کی کچھ وضاحت کر رہا ہوں۔

قرآن مجید کے بیان کے مطابق حج ان لوگوں پر فرض ہے جو مکۃ المکرمہ تک راہ چلنے کی استطاعت رکھتے ہوں، وللہِ علی الناسِ حِجُّ البیتِ مَنِ استطاعَ الیہ سبیلاً (آل عمران) استطاعت کی تفسیر عام طور پر زاد وراحلہ سے کی گئی ہے، کیونکہ حدیث شریف میں استطاعت کی یہی مراد متعین کی گئی ، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "من ملک زاداً وراحلۃً تبلغہ بیت اللّٰہ ولم یحج فلاعلیہ ان یموت یھودیاا و نصرانیا، وذلک ان اللہ یقول فی کتابہ: وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا —— وروی عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سئل عن قولہ عزوجل: وللہ علی الناس الخ۔ فقال: السبیل: الزاد والراحلۃ (روائع البیان، تفسیر آیات الاحکام لمحمدعلی الصابونی ۱/۴۱۴)

ترجمہ: جو شخص اتنے زادوراحلہ کا مالک ہو جس سے بیت اللہ پہنچ سکتا ہو، پھر بھی حج نہ کرے تو کوئی پرواہ نہیں ہے کہ وہ یہودی بن کر مرے یا نصرانی بن کر، اور وہ اس لئے کہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ اللہ کے واسطے لوگوں پر حج بیت اللہ ضروری ہے جو وہاں تک پہونچنے کی طاقت رکھتا ہو، اور ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے —— جب کہ آپ سے وللہ علی الناس الخ والی آیت کے بارے میں سوال کیا گیا —— فرمایا کہ سبیل سے مراد زادوراحلہ ہے۔

"زاد" کے معنی "توشہ" اور "راحلہ" کے معنی "سواری" کے آتے ہیں، مقصد یہ ہے کہ جو شخص بیت اللہ جانے کے لئے کھانے پینے اور سواری کے اخراجات پورے کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اس پر حج فرض ہوجاتا ہے۔ اس کے علاوہ فقہاء نے استطاعت کے ذیل میں راستہ کے مامون ہونے، عورت کے ساتھ محرم ہونے، سواری پر بیٹھنے کی طاقت رکھنے وغیرہ جیسی شرائط کا تذکرہ کیا ہے۔ چنانچہ حنفی مفکر وفقیہ علامہ جصاص رازیؒ ان شرطوں کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ان ذلک جمیع شرائط الاستطاعۃ

(دیکھئے احکام القرآن للجصاص الرازی ۲/۳۱)

علامہ شامی نے لکھا ہے کہ "آفاقی (میقات سے باہر رہنے والا) کے لئے راحلہ (سواری) شرط ہے" اس کا صاف مطلب یہی ہوا کہ اگر سواری کا انتظام نہ ہو سکے تو اس پر حج فرض نہ ہوگا خواہ وہ شخص پیدل چلنے کی قدرت رکھتا ہو۔ اماالراحلۃ فشرط للآفاقی دون المکی القادرعلی المشی (ردالمحتار ۳/ ۴۵۸) ترجمہ: اور جہاں تک سواری کا تعلق ہے تو وہ آفاقی کے لئے شرط ہے، مکہ اور اس کے

قرب وجوار میں رہنے والوں کے لئے نہیں، جب کہ وہ پیدل چلنے پر قادر ہوں، یعنی اگر مکہ والے پیدل بھی حج کر سکتے ہوں گے تو ان پر تو حج فرض ہو جائے گا، باہر والوں پر نہیں جب تک کہ ان کے پاس سواری کا انتظام نہ ہو۔

ان دلائل کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ جو آفاقی پیادہ بیت اللہ جا سکتا ہو لیکن سواری کا انتظام کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو ایسے شخص پر حج فرض نہیں ہوتا ہے —— اس لئے جماعت کے ذمہ دار صاحب کا مذکورہ بیان درست نہیں ہے۔

نیز موصوف کا یہ بیان مزاج شریعت کے بھی خلاف ہے، کیونکہ شریعت کے احکام میں میانہ روی اور یُسر کا پہلو غالب ہے ،اور موصوف کا بیان امت محمدیہ کو یسر کے بجائے عُسر اور میانہ روی کے بجائے انتہائی مشقت میں ڈالنے والا ہے۔

تبلیغی جماعت کا کام بلاشبہ دینی انقلاب لانے میں موثر رول ادا کر رہا ہے، اور یہ جماعت بڑی حد تک صحیح منہج پر دین کی خدمت کر رہی ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ایسے متشدد لوگوں کی وجہ سے یہ جماعت بدنام ہو جائے، ہندوستان میں مختلف مذہبی جماعتیں ہیں، ان سب میں علماء دیوبند کا امتیازی وصف اعتدال و میانہ روی پر قائم رہنا ہے، ایسا نہ ہو کہ ایسے لوگوں کی وجہ سے مسلک دیوبند پر آنچ آئے، اس لئے جماعت کے ذمہ دار حضرات سے پرزور اپیل ہے کہ اپنے بیانات میں بے سند باتیں پیش نہ کریں۔ **وباللہ التوفیق وھو المستعان**

مفتی طفیل احمد قاسمی
بانی و مہتمم مدرسۃ فاطمہ نسواں، بلگام
۱۴/ دسمبر ۲۰۱۱ء